پاکستان۔ بین الاقوامی مذہبی آزادی رپورٹ ۲۰۱۷ء

ایگزیکٹو سمری

آئین کی رُو سے اسلام ریاست کا سرکاری مذہب ہے اور تقاضہ کرتا ہے کہ تمام قوانین اسلام کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔ آئین یہ بھی صراحت کرتا ہے کہ "ہر شہری کو قانون، امن عامہ اور اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے، اپنے مذہب کے اقرار کرنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور پرچار کرنے کے آزادی حاصل ہوگی۔" عدالتوں نے توہین مذہب سے متعلق قوانین کا نفاذ جاری رکھا، جن کے تحت نبی حضرت مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے شان میں گستاخی کرنے سمیت مختلف جرائم کی سزا عمر قید سے لیکر پھانسی تک ہے۔ سول سوسائٹی کے مطابق توہین مذہب کے قانون کے تحت لگ بھگ پچاس افراد جیلوں میں قید تھے، جن میں سے کم از کم ۱۷ کو سزائے موت سنائی جاچکی ہے۔ سول سوسائٹی آرگنائیزیشنز (سی ایس اوز) کی جانب سے فراہم کردہ اعداوشمار کے مطابق، پولیس نے ۱۷ لوگوں کے خلاف کم از کم توہین مذہب کے ۱۰ نئے مقدمات درج کیے۔ ان تنظیموں کے مطابق توہین مذہب سے متعلقہ مقدمات میں ماتحت عدالتیں متعدد بار گواہی کے بنیادی معیار کی پاسداری کرنے میں ناکام رہیں۔ اپریل میں ایک ہجوم نے عبدالولی خان یونیورسٹی مردان، خیبر پختونخوا، کے طالبعلم مشال خان کو توہین رسالت کے الزام میں تشدد اور گولی مار کر قتل کردیا، لیکن بعد ازاں کی گئی تفتیش میں اس پر لگائے گئے الزامات جھوٹے ثابت ہوئے، جس کے باعث اس واقعہ کی ملکی سطح پر مذمت بھی ہوئی۔ احمدی مسلمان برادری کے قائدین اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے حکومت کی جانب سے احمدیوں کو توہین رسالت کے قوانین کا نشانہ بنانے پر تشویش کا اظہار جاری رکھا، جبکہ احمدی مذکورہ امتیازی اور مبہم قوانین کا شکار بنتے رہے، جو انہیں بنیادی انسانی حقوق سے محروم کردیتے ہیں۔ دو اکتوبر کو صدر مملکت نے ایک بل پر دستخط کرکے قانون کی توثیق کی، جس کے تحت انتخابی حلف نامہ میں نبی حضرت مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر یقین رکھنے کے عقیدہ کو ایک "اعلان" میں تبدیل کرتے ہوئے احمدیوں کے لیے رائج علیحدہ رائے دہندگی کی فہرستوں کا بھی خاتمہ کیا گیا، اس ترمیم کے بعد کئی ہفتے تک احتجاجی مظاہرے جاری رہے۔ بالآخر حکومت نے حلف نامہ میں تبدیلی کو "کلریکل غلطی" قرار دیا اور پارلیمینٹ نے ترمیم ختم کردی۔ سارا سال، سرکاری حکام احمدی مخالف بیان بازی میں سرگرم رہے اور انہوں نے ایسی محفلوں میں شرکت کی جن کو احمدی مسلمانوں نے اپنی برادری کے خلاف تشدد بھڑکانے کا باعث قرار دیا۔ اقلیتی برادری کے ارکان اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ میں حکومت کی غیر مستقل مزاجی پر تشویش کا اظہار کرتے رہے جبکہ اقلیتوں سے سرکاری طور پر امتیازی سلوک بھی جاری رہا۔ سی ایس اوز نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حکام اکثر اوقات مذہبی اقلیتوں کے خلاف سماجی تشدد کی روک تھام کے لیے اقدامات اٹھانے میں ناکام رہے اور پولیس بھی اکثر و بیشتر اس قسم کی خلاف ورزیوں کے مرتکب افراد کو گرفتار کرنے میں ناکام رہی۔

پاکستان

حکومت [پاکستان] کی جانب سے انتہاپسند قرار دے کر کالعدم کی جانے والی تنظیموں اور اس کے علاوہ امریکی اور دیگر حکومتوں کی جانب سے دہشتگرد قرار دی گئی تنظیموں سے منسلک گروہوں نے عیسائیوں، احمدی مسلمانوں، صوفی مسلمانوں اور شیعہ مسلمانوں، بشمول شیعہ اکثریت والی ہزارہ برادری پر حملے کیے۔ ۱۶ فروری کو ایک خودکش بمبار نے سندھ کے شہر سیہون میں لعل شہباز قلندر کے مزار پر حملہ کر کے رسم کی ادائیگی کی خاطر جمع ہونے والے کم از کم ۸۸ لوگوں کو ہلاک اور دیگر ۲۰۰ کو زخمی کیا۔ داعش صوبہ خراسان (آئی ایس آئی ایس–کے) نے بعد میں مذکورہ حملہ کی ذمہ داری قبول کی۔ جنوری، مارچ اور جون میں دہشتگرد گروہوں نے قبائلی علاقہ جات کی کرم ایجنسی کے شیعہ اکثریتی شہر پاراچنار میں بازاروں پر حملے کر کے کم از کم ۱۱۵ لوگوں کو قتل اور لگ بھگ ۴۰۰ کو زخمی کیا۔ ۱۷ دسمبر کو، بلوچستان کے شہر کوئٹہ میں خودکش بمباروں نے ایک گرجاگھر پر حملہ کر کے عبادت میں مصروف ۹ افراد کو قتل اور ۶۰ کو زخمی کر دیا؛ داعش خراسان نے اس حملہ کی ذمہ داری بھی قبول کی۔ حکومت نے دہشت گردی کے خلاف نیشنل ایکشن پلان (این اے پی) پر عملدرآمد جاری رکھتے ہوئے، فرقہ وارانہ نفرت انگیز تقاریر اور انتہاپسندی کے خاتمے سمیت دہشت گرد گروہوں کے خلاف فوجی اور دیگر قانون نافذ کرنے والی کارروائیاں جاری رکھیں۔ تاہم سول سوسائٹی کے ارکان مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے بارے میں تشویش کا اظہار کرتے رہے۔

سال بھر کے دوران، نامعلوم حملہ آوروں نے شیعہ، ہزارہ اور احمدی افراد کو نشانہ بنایا اور قتل کیا۔ خیال کیا جارہا تھا کہ یہ حملے عقیدہ کی بنیاد پر کیے گئے تاہم حملہ آوروں کا کسی منظم دہشت گرد گروہ کے ساتھ تعلق واضح نہیں تھا۔ ہزارہ نسل کے شیعہ افراد کے خلاف حملوں میں مذکورہ سال کے دوران اضافہ ہوا۔ پانچ مختلف حملوں میں، نامعلوم حملہ آوروں نے ہزارہ شیعہ برادری کے ۱۵ ممبران کو گولی مار کے قتل کیا۔ حملہ آوروں نے مختلف واقعات میں احمدی برادری کے کم از کم سات افراد کو چُن چُن کر قتل کیا۔ اس کے علاوہ توہین مذہب، بعض افراد کی جانب سے مذہبی اقلیتوں کو زبردستی مشرف بہ اسلام کرنے کی کوششوں، لڑکیوں کا زبردستی مذہب تبدیل کروانے، اجتماعی طور پر خوف وہراساں کرنے، امتیازی سلوک اور مذہبی اقلیتوں کو تشدد کا نشانہ بنانے کے خطرات سمیت سماجی زیادتیوں کی متعدد اطلاعات موجود تھیں۔ مذہبی اقلیتوں کے مقدس مقامات، قبرستانوں، مذہبی شعائر پر حملوں کی بھی خبریں مسلسل آتی رہیں۔

محکمہ خارجہ کے اعلیٰ حکام بشمول سفیر، مذہبی اقلیتوں کے بارے میں خصوصی مشیر برائے شرقِ قریب اور جنوبی اور وسط ایشیا اور سفارتخانہ کے دیگر افسران نے وزیر اعظم کے اعلیٰ مشیران، وزیر انسانی حقوق، وزارت قانون وانصاف، وزارت خارجہ اور وزارت مذہبی امور وبین المذاہب ہم آہنگی کے حکام سے ملاقاتیں کر کے فرقہ وارانہ تشدد سے نمٹنے کی ضرورت، مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کو یقینی بنانے اور توہین مذہب کے قانون کے غلط استعمال کو ختم کرنے کے بارے میں گفتگو کی۔ سفارتخانہ کے افسران نے سول سوسائٹی، مقامی مذہبی قائدین، مذہبی اقلیتوں کے نمائندوں اور قانونی ماہرین

سے ملاقاتیں کر کے عدم برداشت کے خاتمے، مذہبی آزادی کے فروغ کے لیے تعاون اور مختلف عقیدہ رکھنے والے لوگوں کے درمیان ہم آہنگی کے بارے میں بات چیت کی۔ سرکاری دوروں پر آنے والے امریکی سرکاری حکام نے مدرسہ اور سرکاری تعلیمی نظام میں رائج تدریسی نصاب میں اصلاحات پر بات چیت کے لیے مدرسہ بورڈ رہنماؤں اور قومی ادارہ برائے انسداد دہشت گردی کے ارکان سے ملاقاتیں کیں۔ انہوں نے اقلیتی برادری کے نمائندوں، ارکان پارلیمینٹ، انسانی حقوق کے کارکنوں اور وزیر اعظم آفس کے افسران سے مل کر شیعہ، احمدی، عیسائی، ہندو، سکھ اور دیگر مذہبی اقلیتوں کے ساتھ ہونے والے سلوک، توہین مذہب قانون کے استعمال اور مذہبی بنیادوں پر روا رکھے جانے والے دیگر اقسام کے امتیازی سلوک کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا۔ محکمہ خارجہ نے سال بھر کے دوران ہونے والے دہشت گردانہ حملوں کی، بشمول لعل شہباز قلندر کے مزار پر فروری میں ہونے والے حملے، شیعہ اکثریتی شہر پاراچنار میں حملوں، بلوچستان کے شہر جھل مگسی کی درگاہ میں اکتوبر کے دوران ہونے والے حملے اور دسمبر میں بیتھل میموریل میتھوڈسٹ چرچ کوئٹہ میں ہونے والے دہشتگرد حملہ کی کھلے عام مذمت کی۔ ۲۲ دسمبر ۲۰۱۷ء پر ترمیم شدہ بین الاقوامی مذہبی آزادی ایکٹ ۱۹۹۸ء کے تحت سیکریٹری خارجہ نے مذہبی آزادی کی خلاف ورزیوں میں ملوث ہونے یا برداشت کرنے کی بنیاد پر پاکستان کو خصوصی واچ لسٹ پر رکھا۔

حصہ اول۔ مذہبی اعداد و شمار

امریکی حکومت کی جانب سے جولائی ۲۰۱۷ء میں لگائے گئے اندازے کے مطابق پاکستان کی آبادی ۲۰ کروڑ ۴۹ لاکھ ہے۔ ۱۹۹۸ء میں کی جانے والی قومی مردم شماری کے مطابق ملکی آبادی کا ۹۵ فیصد حصہ مسلمان ہیں (سرکاری طور پر مسلمان آبادی کا ۷۵ فیصد سنی اور ۲۵ فیصد شیعہ درج کیا گیا ہے)۔ حکومتی اعداد و شمار کے مطابق، بقایا پانچ فیصد میں احمدی مسلمان، ہندو، عیسائی، پارسی۔ زرتشت، بہائی، سکھ، بدھ مت، کلاشا، کیہال اور جین شامل ہیں۔

مذہبی اقلیتوں کی آبادی کے حوالے سے غیر سرکاری اندازے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ۲۰۱۴ء میں ذرائع ابلاغ کی جانب سے کی جانے والی ایک گنتی کے مطابق ۲۹ لاکھ غیر مسلم لوگ نیشنل ڈیٹابیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) کے پاس ریکارڈ میں درج ہیں، ذرائع ابلاغ کے اندازے مطابق اصل تعداد ۳۵ لاکھ سے زیادہ ہے۔ مذہبی برادری کی نمائندوں کے مطابق اقلیتی مذہبی گروہ تمام تر آبادی کا تین سے پانچ فیصد، یعنی ۶۰ لاکھ سے ایک کروڑ شہری ہیں۔

۲۰۱۴ء کے حکومتی دستاویزات برائے اندراج میں ذکر کیا گیا کہ ملک میں ۱۴ لاکھ ہندو، ۱۳ لاکھ عیسائی، ۱۲۶،۰۰۰ احمدی، ۳۴،۰۰۰ بہائی، ۶،۰۰۰ سکھ، اور ۴،۰۰۰ پارسی ہیں۔ احمدیوں کی جانب سے مردم شماری مہم کے بائیکاٹ کے پیش نظر اس برداری کے ذرائع کے مطابق احمدی مسلمانوں کی تعداد پانچ سے چھ لاکھ کے درمیان ہے۔ بلوچستان میں ذکری مسلمان برادری کی آبادی لگ بھگ پانچ لاکھ سے آٹھ لاکھ کے درمیان ہے۔ قدیم یہودی برادری کی اکثریت ملک چھوڑ گئی ہے۔

حصہ دوم۔ حکومت کی جانب سے مذہبی آزادی کے احترام کی صورتحال

قانونی ڈھانچہ

آئین اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیتا ہے مگر یہ بھی صراحت کرتا ہے کہ "قانون، امن عامہ اور اخلاقیات کی پاسداری رکھتے ہوئے، ہر شہری کو اپنے مذہب کا اظہار کرنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور پرچار کرنے کا حق حاصل ہو گا۔" پینل کوڈ میں ۱۹۸۴ء کی ترمیم نے احمدی برادری کے اپنے عقیدے کی تبلیغ کے حق کو محدود کر دیا ہے۔

آئین کے مطابق، ہر شہری کو اظہار رائے کی آزادی کا حق بھی حاصل ہو گا، مگر "عظمت اسلام کے مفاد میں مناسب پابندیوں کا لحاظ رکھا جائے گا"، جیسا کہ تعزیرات میں بھی تحریر کیا گیا ہے۔ پینل کوڈ کے مطابق، توہین مذہب کے مرتکب افراد کے لیے مجوزہ سزاؤں میں نبی حضرت محمد صلعم کی شان میں گستاخی پر سزائے موت، قرآن پاک کی توہین، نقصان پہنچانے، یا بے حرمتی پر عمر قید اور کسی دیگر مذہب کی مذہبی جذبات کو مجروح کرنے پر دس سال قید کی سزا شامل ہے۔ مذہبی منافرت کو شہ دینے والی تقریر یا فعل کی سزا سات سال قید ہے۔

آئین "مسلمان" کی تشریح ایک ایسے شخص کے طور پر کرتا ہے جو کہ "اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور وحدانیت، حضرت محمد صلعم کے مکمل اور تا قیامت خاتمہ النبیین ہونے پر یقین رکھتا ہے اور کسی بھی ایسے شخص کو تسلیم نہیں کرتا جس نے محمد صلعم کے بعد نبی ہونے یا مذہبی اصلاحات کا علمبردار ہونے کا دعویٰ کیا تھا یا کرتا ہے۔۔۔" آئین یہ بھی صراحت کرتا ہے کہ "عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ مت یا پارسی، قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو کہ خود کو احمدی کہتے ہیں)، یا بہائی مذہب اور کسی بھی شیڈیولڈ ذات سے تعلق رکھنے والا شخص "غیر مسلم ہے۔

آئین اور پینل کوڈ کے مطابق، احمدی مسلمان نہیں ہیں اور خود کو مسلمان نہیں کہلوا سکتے نہ ہی اسلام کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ پینل کوڈ اُن کو اپنے مذہبی عقائد کی تبلیغ اور پرچار، کسی کو اپنے مذہب کی طرف مائل کرنے اور "مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے" سے منع کرتا ہے۔ ان قوانین کی خلاف ورزی کی سزا تین سال سزا اور جرمانہ ہے۔

پینل کوڈ میں "مذہبی عقائد اور مذہب کی توہین کے ذریعہ سے مذہبی جذبات بھڑکانے کی دانستہ اور پر بدنیتی پر مبنی عمل" کو جرم قرار دے کر دس سال قید سزا مقرر کی گئی ہے۔

۲۰۱۵ء کی آئینی ترمیم فوجی عدالتوں کو دہشت گردی، فرقہ وارانہ تشدد اور دیگر جرائم میں ماخوذ سویلین افراد کے مقدمات کی سماعت کی اجازت دیتی ہے۔ اس اختیار میں جنوری میں مزید دو سال توسیع کی گئی تھی۔ حکومت نے تشدد آمیز جرائم، دہشت گرد سرگرمیوں اور مذہبی تفرقہ بازی بھڑکانے والی تقریر و عمل، بشمول توہین مذہب، میں ملوث افراد کے خلاف کارروائیوں کے لیے خصوصی سویلین انسداد دہشتگردی عدالتیں قائم کیں۔

آئین صراحت کرتا ہے کہ کسی بھی شخص کو اپنے مذہب کے سوا کسی دوسرے مذہب کی رسومات میں شرکت یا عبادت میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

آئین "مذہبی اداروں کے انتظام و انصرام کرنے" کی آزادی فراہم کرتا ہے۔ وہ یہ بیان کرتا ہے کہ ہر مذہب کے پیروکاروں کو اپنے مذہبی ادارے قائم کرنے اور انتظامات چلانے کا حق حاصل ہو گا۔ آئین یہ بھی کہتا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے مذہب کے سوا کسی دوسرے مذہب کی تبلیغ یا بقاء کے لیے کسی قسم کا خصوصی ٹیکس ادا کرنے کا پابند نہیں ہو گا۔ حکومت سنی مسلمانوں سے اڑھائی فیصد زکوٰۃ (ٹیکس) وصول کر کے سنی مساجد، مدارس اور خیراتی اداروں میں رقوم تقسیم کرتی ہے۔

آئین حکومت کو پابند کرتا ہے کہ مسلمانوں کو، انفرادی اور اجتماعی طور پر، اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی نظریات کے مطابق گذارنے کے قابل بنائے اور اسلام کی اخلاقی اقدار کو فروغ دے۔ آئین ریاست کو اسلامی عشر وزکوٰۃ، مذہبی بنیادوں اور عبادتگاہوں کو باحفاظت منظم کرنے کے لیے اقدامات اٹھانے کا حکم دیتا ہے۔

وزارت مذہبی امور اور بین المذاہب ہم آہنگی حج اور دیگر اسلامی زیارتوں میں شہریوں کی شرکت یقینی بنانے کی ذمہ دار ہے۔ حکام مختلف امور، جیسا کہ توہین مذہب اور اسلامی تعلیم، کے حوالہ سے بھی مذکورہ وزارت سے مشورہ کرتے ہیں۔ وزارت کا بجٹ غریب اقلیتوں کی امداد، اقلیتوں کی عبادت گاہوں کی مرمت، اقلیتوں کی زیر انتظام چھوٹے پیمانہ کے ترقیاتی منصوبوں کے قیام، اقلیتوں کے مذہبی تہوار منانے اور مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے طالبعلموں کو وظائف کی فراہمی کا ذمہ اٹھاتا ہے۔

قانون اسلام، اس کے پیغمبروں اور دیگر مذاہب کے عقائد کے خلاف کسی بھی قسم کے تنقیدی مواد کی اشاعت کی ممانعت کرتا ہے۔ قانون احمدی مذہبی مواد کی فروخت پر بھی پابندی عائد کرتا ہے۔

صوبائی اور وفاقی حکومتوں پر ۱۹۴۷ء میں برطانوی ہندوستان کی تقسیم کے بعد خالی ہونے والی بعض املاک کے انتظامات کی قانونی ذمہ داریاں لاگو ہیں۔

آئین واضح کرتا ہے کہ کسی تعلیمی ادارے میں داخل کوئی بھی شخص اپنے مذہب کے سوا کسی دیگر مذہبی مواد پڑھنے یا دوسرے مذاہب کی رسومات میں شرکت کا پابند نہیں ہوگا۔ آئین یہ بھی بیان کرتا ہے کہ کسی بھی مذہب کی جانب سے اپنے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں طالبعلموں کو اپنے مذہب کا درس دینے سے نہیں روکا جائے گا۔

آئین صراحت کرتا ہے کہ حکومت سرکاری اسکولوں میں اسلامیات کی تعلیم تمام مسلمانوں کے لیے لازمی بنائے گی۔ اگرچہ دیگر مذہبی گروہوں سے تعلق رکھنے والے طالبعلم قانونی طور پر اسلام کی تعلیم حاصل کرنے کے پابند نہیں، لیکن اسکولوں نے بعض موقع پر انکے لیے اپنے مذہب کی متوازی تعلیم فراہم کرنے کا انتظام نہیں کیا، اس لیے طالبعلموں کے پاس [اسلامی نصاب کے سوا] کوئی دوسرا چارہ نہیں تھا۔ تاہم کچھ اسکولوں میں غیر مسلم

طالبعلم اخلاقیات کا مضمون پڑھ سکتے ہیں۔ والدین اپنے خرچہ پر بچوں کو دینی مدرسوں سمیت نجی اسکولوں میں بھیج سکتے ہیں۔ نجی اسکول مذہبی تعلیم فراہم کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں آزاد ہیں۔

قانون کے مطابق، مدارس میں فرقہ وارانہ یا مذہبی تشدد کی تعلیم دینا یا اسکی حوصلہ افزائی کرنے کی ممانعت ہے۔ قانون کے تحت تمام مدارس پر لازم ہے کہ وہ پانچ میں سے ایک وفاق (آزاد بورڈ) یا براہ راست حکومت کے ساتھ الحاق کریں، اپنے ذرائع آمدنی کی چھان بین کروائیں اور غیر ملکی طالبعلموں کو فقط قابلِ قبول اسٹوڈنٹ ویزا کی دستیابی، پس منظر کی جانچ پڑتال اور انکی متعلقہ حکومتوں کی اجازت کے بعد داخلہ کے لیے قبول کریں۔

قانون صراحت کرتا ہے کہ "تمام موجودہ قوانین کو قرآن و سنت میں بیان کردہ اسلامی احکامات سے ہم آہنگ کیا جائے گا"۔ مزید یہ کہتا ہے کہ اسلام سے "متصادم" کوئی بھی قانون نافذ نہیں کیا جائے گا۔ آئین بیان کرتا ہے کہ یہ شرط "غیر مسلم شہریوں کے عائلی قوانین" یا انکی شہری حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوگی۔ اقلیتوں کے لیے شادی، طلاق اور وراثت کے قوانین تقسیم ہند سے پہلے برطانوی دور میں بنائے گئے ہیں۔

آئین نے مسلمان ججوں پر مشتمل وفاقی شرعی عدالت اس امر کا تعین کرنے کے لیے قائم کی ہے کہ آیا کوئی قانون اسلام کے احکامات سے متصادم تو نہیں۔ آئین عدالت کو اختیار دیتا ہے کہ اپنے طور پر، حکومت کے کہنے یا عام شہری کی شکایت پر کسی قانون کا جائزہ لے سکتی ہے۔ آئین حکومت پر لازم کرتا ہے کہ عدالت کے حکم کے مطابق قانون میں ترمیم کی جائے۔ آئین نے عدالت کو فوجداری مقدمات، جن میں بعض جرائم، بشمول عصمت دری اور اسلامی اقدار کے منافی، مثال طور غیر ازدواجی تعلقات، شراب نوشی اور جوا کھیلنے سے متعلق کیس شامل ہیں، پر نظر ثانی کے لیے اختیارات سے نوازا ہے۔ عدالت ان مقدمات میں فوجداری عدالت کی جانب سے دی گئی سزا کو معطل یا پھر اس میں اضافہ کرنے کی مجاز ہے۔ اس قسم کے مقدمات میں مذکورہ عدالت ماتحت عدالتوں میں اپنا اختیار برائے عدالتی نظر ثانی ستعمال کرتی ہے، یہ اختیار جرم میں مسلمان یا غیر مسلم میں سے کوئی بھی ملوث ہونے کی صورت میں استعمال ہو سکتا ہے۔ غیر مسلم اگر چاہیں تو جو معاملات ان کو متاثر کرتے ہیں یا انکے حقوق کی پامالی کرتے ہیں ان کے بارے میں مشورہ کے لیے وفاقی شرعی عدالت سے رجوع کر سکتے ہیں۔ اس عدالت کے فیصلوں کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی جا سکتی ہے۔

آئین نے اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی ہے، جو پارلیمینٹ اور صوبائی اسمبلیوں کی درخواست پر "مسلمانوں کو اپنی زندگی اسلام کے اصولوں کے مطابق گذارنے کے قابل بنانے اور اس ضمن میں انکی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے سفارشات تیار کرے۔" آئین کونسل کو یہ بھی اختیار دیتا ہے کہ جب بھی مقننہ یا انتظامیہ اُسے کوئی سوال ارسال کریں تو ان کو مشورہ دے کہ کیا وہ قانون اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے یا نہیں۔

قانون میں عدالتی یا عام شادی کے بارے میں مخصوص تحریر کی عدم موجودگی کے باعث نکاح نامہ پر دستخط مذہبی رہنما کرتے ہیں اور اسے مقامی نکاح رجسٹرار کے دفتر میں اندراج کرایا جاتا ہے۔ مارچ میں حکومت نے ہندو شادیوں کے طریقہ کار کو قانونی شکل دینے اور اس کی قانونی حیثیت کی تصدیق کی خاطر قانون سازی کی، اس پیش رفت کے منصوبہ سازوں کے خیال میں اس کی وجہ سے جبری شادیوں اور ہندوؤں کی زبردستی مذہب تبدیل کروانے کی کارروائیوں میں کمی واقع ہوگی۔ قانون کے تحت کسی بھی ایک فریق کی جانب سے ہندو سے کسی دوسرے مذہب قبول کرنے کی صورت میں شادی ختم ہو جاتی ہے۔

حکومت کسی بھی مذہب تبدیل کرنے والی ہندو لڑکی کی جانب سے اسلام قبول کرنے کی صورت میں اس کی شادی سرکاری طور پر ختم تصور کرتی ہے حالانکہ اگر کوئی غیر مسلم مرد مسلمان ہو جائے تو اس کی شادی برقرار رہتی ہے۔ اگر ماں اسلام قبول کرلے تو اس کے غیر مسلم شوہر سے پیدا ہونے والے بچے غیر قانونی اور ماں کی وراثت میں حصہ حاصل کرنے کے لیے نااہل تصور کیے جاتے ہیں۔ بچوں اور شادی کو قانونی بنانے کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ شوہر بھی اسلام قبول کرلے۔ ایک مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی جانب سے کسی دوسرے مذہب میں داخل ہونے کے صورت میں انکے بچے بھی غیر قانونی تصور ہونگے اور حکومت ان بچوں کو اپنی تحویل میں لے سکتی ہے۔

آئین ریاست کو حکم صادر کرتا ہے کہ وہ اقلیتوں کے جائز حقوق اور مفادات کا تحفظ کرے اور عوام کی فلاح و بہبود مذہبی امتیاز سے بالاتر ہو کر یقینی بنائے اور فرقہ وارانہ تعصبات کی حوصلہ شکنی کرے۔ آئین کسی بھی مذہبی برادری سے مذہبی اداروں سے ٹیکس وصولی میں تفریق کرنے سے بھی منع کرتا ہے۔ سرکاری امداد سے چلنے والا ایک غیر جانبدار قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، انسانی حقوق کی پامالیوں کے خلاف شکایات وصول کرنے، انکی تفتیش کرنے اور تلافی کرنے کی استدعا کر سکتا ہے، اس کے پاس نیم عدالتی اختیارات ہیں اور مقدمات کو استغاثے کے لیے بھی ارسال کر سکتا ہے لیکن اس کو گرفتاری کے اختیارات حاصل نہیں ہیں۔

آئین کے مطابق، سرکاری نوکریوں میں بھرتی کے لیے کسی شخص کے ساتھ مذہبی بنیادوں پر کسی نوع کا امتیاز نہیں ہوگا، بشرطیکہ بصورت دیگر وہ اس نوکری کے لیے اہل ہو۔

آئین کسی بھی سرکاری تعلیمی ادارے میں داخلہ کے لیے مذہبی مسلک کی بنیاد پر امتیاز کرنے سے منع کرتا ہے۔ قواعد وضوابط کے مطابق، طالبعلم کے داخلہ پر اثر انداز ہونے والے محرکات اس کے گریڈ اور آبائی صوبہ ہیں، تاہم طالبعلم کو اپنی مذہبی شناخت درخواست فارم پر ظاہر کرنا ہوتی ہے۔ یہ اعلانیہ جامعات سمیت نجی تعلیمی اداروں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ خود کو بطور مسلمان شناخت کرانے والے طالبعلموں کو یہ تحریری اقرار نامہ دینا ہوتا ہے کہ وہ حضرت محمد صلعم کو نبی آخر زمان تسلیم کرتے ہیں۔ غیر مسلم کے لیے اپنے مقامی مذہبی پیشوا سے مذہبی وابستگی کی تصدیق کروانا لازمی ہوتا ہے۔

حکومت پاسپورٹ پر مذہبی وابستگی ظاہر کرتی ہے اور قومی شناختی کارڈ کی درخواست فارم میں بھی مذہبی وابستگی کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کا تقاضہ کرتی ہے۔ اپنا اندراج مسلمان کے طور پر کروانے کے خواہشمند افراد کے لیے یہ حلف لازمی ہے کہ وہ حضرت محمد صلعم کو آخری نبی مانتے ہیں، جبکہ ان پر لازم ہے کہ احمدی تحریک کے بانی کو جھوٹا نبی اور اس کے پیروکاروں کو غیر مسلم قرار دیں۔

آئین کی رُو سے لازم ہے کہ صدر اور وزیر اعظم مسلمان ہوں۔ تمام اعلیٰ سرکاری حکام، بشمول پارلیمینٹ ارکان کو ملک کے اسلامی تشخص کے تحفظ کا حلف لینا پڑتا ہے۔ قانون کا تقاضا ہے کہ منتخب شدہ حکام حلف اٹھائیں کہ وہ حضرت محمد صلعم کو آخری نبی مانتے ہیں۔

قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں مذہبی اقلیتی ارکان کے لیے نشستیں مخصوص کی گئیں ہیں۔ ۳۴۲ نشستوں والی قومی اسمبلی میں دس نشستیں اقلیتوں کے لیے مختص ہیں، جبکہ ۱۰۴ نشستوں والی سینیٹ میں اقلیتوں کے لیے چار مخصوص نشستیں ہیں، یعنی ہر صوبہ میں سے ایک۔ صوبائی اسمبلیوں میں سے کے پی میں ایسی تین، پنجاب میں آٹھ، سندھ میں نو اور بلوچستان میں تین نشستیں ہیں۔ عام انتخابات میں منتخب ہونے والی سیاسی جماعتوں نے اقلیتی افراد کو ان نشستوں کے لیے چنا، وہ اقلیتی برادری کے حلقہ سے منتخب نہیں ہوتے۔

ملک انٹرنیشنل کوویننٹ آن سول اینڈ پولیٹیکل رائیٹس۔ بین الاقوامی معاہدہ برائے شہری اور سیاسی حقوق۔ آئی سی سی پی آر پر دستخط کنندہ ہے لیکن دو امور پر تحفظات برقرار ہیں: اول، یہ کہ آئی سی سی پی آر کی شق تین برائے مردوں اور عورتوں کے لیے برابر حقوق کو شہریوں کے پرسنل لاء اور قانون شہادت کے ساتھ ہم آہنگ کر کے نافذ کیا جائے گا، جس کے تحت مرد کی عدالت کے اندر گواہی کو عورت کی نسبت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے؛ دوم، یہ

کہ آئی سی سی پی آر کی شق ۲۵ کہ شہریوں کو قومی خدمت میں حصہ لینے کے برابر مواقع میسر ہوں گے والی شق آئین کے اس مینڈیٹ کے مطابق ہو گی کہ صدر اور وزیر اعظم مسلمان ہونگے۔

حکومتی کارروائیاں

خلاصہ اقتباس: سول سوسائٹی تنظیموں نے ملک کے توہین مذہب کے متعلق قوانین کے استعمال کے بارے میں تشویش کا اظہار کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ سول سوسائٹی کی رپورٹوں کے مطابق، توہین رسالت الزامات کے تحت کم سے کم پچاس افراد کو قید کیا گیا تھا، جن میں سے کم از کم ۱۷ کو موت کی سزا سنائی جا چکی ہے۔ سی ایس اوز کی جانب سے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق، پولیس نے ۱۷ افراد کے خلاف کم از کم ۱۰ نئے توہین مذہب کے مقدمات درج کیے۔ صوبہ پنجاب میں کم از کم دو بچے توہین رسالت کے الزامات میں زیر حراست تھے۔ سول سوسائٹی گروپوں نے کہا کہ توہین رسالت کے قوانین نے غیر معمولی طور پر مذہبی اقلیتی کمیونٹی کے ارکان پر منفی اثرات مرتب کیے۔ سپریم کورٹ نے سال کے دوران دو افراد کو توہین رسالت کے الزامات سے بری کیا، جبکہ تیسرا مقدمہ ملزم کی موت کی وجہ سے بند کر دیا گیا تھا لیکن دیگر توہین رسالت کے مقدمات کی سماعت جاری رہی۔ سماجی رابطہ کے ذرائع پر توہین رسالت کے خلاف اعلیٰ درجہ کی حکومتی مہم کے نتیجے میں بے شمار مقدمات درج کیے گئے جبکہ قانون سازی نے آن لائن توہین کو جرم قرار دیا۔ ۲۰۱۰ء میں توہین رسالت کے الزام میں سزائے موت پانے والی آسیہ بی بی کی اپیل سپریم کورٹ میں اکتوبر ۲۰۱۶ء کے بعد غیر معینہ مدت کے لیے زیر التوئ تھی۔ متعدد ذرائع کے مطابق پڑوسیوں، ساتھیوں، یا کاروباری شریکوں کو خوفزدہ کرنے یا انکے ساتھ ذاتی تنازعات کو برابر کرنے کے لیے توہین مذہب کے الزامات کا استعمال جاری رہا، اور ایسی مثالیں موجود تھیں جن میں سرکاری ادارے جیسا کہ پولیس اور عدالتیں شریک جرم تھے۔ قانونی مبصرین نے کہا کہ حکام نے بعض افراد کو توہین رسالت کے الزامات سے بچانے کے لیے اقدامات کیے، تاہم ماتحت عدالتیں توہین رسالت کے معاملات میں واضح شہادت کے بنیادی معیار پر عملدرآمد کرنے میں ناکام رہیں۔ اسلام آباد ہائی کورٹ کی ماہِ اگست میں دی گئی ہدایت کے باوجود، پارلیمان نے تعزیرات میں ترمیم کرنے کے لے کوئی کارروائی نہیں کی جس کے مطابق توہین رسالت کے جھوٹے الزامات لگانے والے فرد کے خلاف بھی توہین رسالت کے الزامات کے برابر سنگین سزا وضع کرنا تھی۔ احمدی برادری کے رہنماؤں کے مطابق، احمدی مسلمانوں کو توہین رسالت اور دیگر قوانین کی نام نہاد خلاف ورزی کی بنیاد پر نشانہ بنانے اور ہراساں کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ اکتوبر میں صدر مملکت نے ایک بل پر دستخط کر کے قانون میں تبدیلی کی، جس کے تحت انتخابی حلف نامہ میں نبی حضرت مُحمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر یقین رکھنے کے عقیدہ کو فقط ایک "اعلان" میں تبدیل کیا گیا جبکہ احمدیوں کے لیے رائج علیحدہ انتخابی فہرستوں کا بھی خاتمہ کیا گیا، اس ترمیم کے بعد مولوی خادم حسین رضوی اور اس کی تحریک لبیک پاکستان سیاسی جماعت کی جانب سے کئی ہفتے تک احتجاجی مظاہرے اور ہنگامہ خیزی جاری رہی کہ حلف نامہ میں ترمیم توہین رسالت کے ارتکاب کے مترادف ہے۔ اکتوبر اور نومبر میں، پارلیمان نے قانون پاس کرتے ہوئے دونوں ترامیم واپس لے لیں۔ بعض سرکاری حکام احمدی مخالف

بیان بازی میں مصروف رہے اور ایسی تقریبات میں شرکت کی جن کو احمدی مسلمانوں نے اپنی کمیونٹی کے ارکان کے خلاف اشتعال انگیز قرار دیا۔ حکومت نے نیشنل ایکشن پلان کے تحت انسداد دہشت گردی کی کارروائیاں جاری رکھیں، جن میں فرقہ وارانہ منافرت اور انتہاپسندی کا مقابلہ کرنے کا ایک واضح مقصد بھی شامل تھا۔

سول سوسائٹی گروپ نے تشویش ظاہر کی کہ حکام اکثر مذہبی اقلیتوں کے خلاف سماجی تشدد کے واقعات کی روک تھام میں ناکام رہے اور پولیس بھی مذکورہ زیادتیوں کے مجرموں کو گرفتار کرنے میں ناکام رہی۔ تاہم غیر سرکاری تنظیموں اور میڈیا نے اطلاع دی کہ بعض اوقات پولیس کی مداخلت مذہبی بنیاد پر تشدد کو روکنے میں مددگار ثابت ہوئی۔ مذہبی اقلیتی کمیونٹی کے ارکان نے کا کہنا تھا کہ حکومت اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ میں مستقل مزاج نہ تھی اور عیسائیوں، ہندوؤں، سکھوں اور احمدیہ مسلمانوں کے خلاف سرکاری تفریق برقرار رہی۔ نومبر ۲۰۱۶ء میں سندھ اسمبلی کی جانب سے جبری مذہب تبدیل کرنے کی روک تھام کے لیے منظور کیے گئے بل کی توثیق سے انکار کرکے گورنر نے مذہبی اقلیتی کارکنوں کو مایوس کر دیا۔

اپریل میں خیبر پختونخواہ کے شہر مردان میں عبدالولی خان یونیورسٹی کے کیمپس پر طالبعلم مشعال خان کو توہین رسالت کے الزام کے تحت پُر تشدد ہجوم نے حملہ کرکے، گولی اور مار کٹائی کرکے قتل کر دیا۔ یونیورسٹی انتظامیہ کے بیانات کے مطابق، پولیس جائے واقعہ پر پہنچنے کے باوجود ہجوم کو کنٹرول کرنے سے قاصر تھی کیونکہ واقعہ میں بہت سے طلباء ملوث تھے۔ بعد میں پولیس کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یونیورسٹی کے ایک گروہ نے مشعال خان کی کیمپس میں فعال سرگرمیوں کی وجہ سے توہین رسالت کے الزامات تیار کیے تھے۔ عوام اور وزیر اعظم سمیت دیگر سرکاری حکام نے قتل کی مذمت کی۔ ۱۹ ستمبر کو، انسداد دہشت گردی کی ایک عدالت (اے ٹی سی) نے یونیورسٹی کے ملازمین سمیت ۵۷ ملزمان پر قتل میں کردار کی وجہ سے فرد جرم عائد کی۔ مقدمہ کی سماعت سال کے اختتام تک جاری تھی۔

جنوری میں، ذرائع ابلاغ کی رپورٹوں کے مطابق، حکومت پر تنقید کرنے والے پانچ سیکولر سوشل میڈیا کارکن جو ملک کے مختلف شہروں سے غائب ہو گئے، جس کے بعد حکومت کے خلاف عوامی آواز بلند ہوئی کیوں کہ عام طور پر سرکار کو اس اغوا کا ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا تھا۔ جب یہ کارکن گم تھے تو متعدد مسلمان مولویوں نے سوشل میڈیا مہم شروع کرکے بلاگروں کو توہین رسالت کا ملزم قرار دیا جو واجب القتل تھے۔ پانچ کارکنوں میں سے چار بعد ازاں کئی ہفتوں کے عرصہ کے بعد دوبارہ ظاہر ہوئے۔ اکتوبر میں ان میں سے ایک بلاگر نے سرعام یہ بیان دیا کہ ایک ریاستی خفیہ ادارے نے گمشدگی

کے دوران اس پر تشدد کیا۔ سال کے اوخر تک، پانچویں بلاگر ثمر عباس کا اتاپتا بدستور نامعلوم تھا۔ ۲۲ دسمبر کو، وفاقی تحقیقاتی ادارہ ایف آئی اے نے اسلام آباد ہائی کورٹ کو بتایا کہ اسے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ بلاگرز توہین رسالت کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اخباری اطلاعات کے مطابق، اکتوبر میں شیعہ سیاسی تنظیم مجلس وحدت المسلمین نے حالیہ برسوں کے دوران حکومتی اداروں کی جانب سے غیر قانونی طور پر گرفتار یا "غائب" کیے گئے شیعہ کارکنوں کے معاملہ کو اجاگر کرنے کے لیے احتجاجی مہم شروع کی۔ شیعہ نمائندوں نے قبل ازیں اطلاع دی تھی کہ شیعہ کارکنوں کو قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کارروائیوں کے بہانہ سے نشانہ بنایا گیا ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے الزامات کی تردید کی۔

سی ایس اوز کے مطابق اپنے ۴۱ ساتھیوں کے ساتھ مل کر دو مسلمان افراد کو تشدد کر کے قتل کرنے کے ملزم اندریاز مسیح اگست میں معدے کی تپ دق کی وجہ سے کوٹ لکھپت جیل لاہور میں چل بسا۔ کچھ تنظیموں کا کہنا ہے کہ اقلیتی برادری کا رکن ہونے کی وجہ سے مسیح کی خرابیء صحت کو جیل حکام نے نظر انداز کیا۔ انسداد دہشت گردی کی ایک عدالت نے اندریاز مسیح اور دیگر ۴۱ ملزمان پر ستمبر ۲۰۱۶ء میں قتل اور دہشت گردی کے الزامات میں فرد جرم عائد کی تھی۔ تشدد کے یہ مبینہ واقعات مارچ ۲۰۱۵ء میں عیسائیوں کے دو گرجاگھروں پر دہشتگردی کے حملوں کے بعد پیش آئے۔ مقدمے کی سماعت سال کے آخر تک جاری تھی۔

سی ایس اوز کی طرف سے فراہم شدہ اعداد و شمار کے مطابق توہین مذہب قانون کے تحت سال ۲۰۱۶ء کے ۱۸ نئے کیسز کی نسبت حالیہ سال ۱۷ لوگوں کے خلاف مقدمات درج کئے گئے۔ یہاں ان لوگوں کے بارے میں بھی لگاتار ایسی اطلاعات آرہی تھیں، جنہوں نے پڑوسیوں، دوستوں اور کاروباری شریکوں کے خلاف ذاتی تنازعات نمٹانے یا کمزور افراد کو دھمکانے کے لیے توہین مذہب کے الزامات لگائے۔ جبکہ قانون کی رُو سے گستاخی کا مقدمہ دائر کرنے سے پہلے ایک سینئر پولیس افسر کو گستاخی کے الزامات کی چھان بین کرنی چاہیے لیکن انسانی حقوق کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ پولیس نے اس طریقہ ہائے کار پر ایک جیسے انداز میں عملدرآمد نہیں کیا۔

مذہبی جماعتوں اور انسانی حقوق کے گروپوں کے مطابق اقلیتی پیروکار کم شرح آبادی کی وجہ سے مسلسل نامناسب طور پر توہین مذہب کے الزمات کی زد میں رہتے ہیں۔ سی ایس اوز کا یہ بھی کہنا ہے کہ پولیس گستاخی کے جھوٹے الزامات لگانے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتی۔ اگر ان کے خلاف کیس داخل بھی کیا جاتا ہے تو عدالتیں اکثر ان ملزمان کو بری کر دیتی ہیں۔

۱۱جون کو بہاولپور، پنجاب کی انسداد دہشت گردی کی عدالت نے ایک شیعہ مسلمان تیمور رضا کو سوشل میڈیا پر گستاخانہ مواد شائع کرنے پر موت کی سزا سنائی۔ یہ فیصلہ اپنی نوعیت کا پہلا فیصلہ تھا جس کے تحت عدالتوں نے پہلی مرتبہ سوشل میڈیا میں گستاخانہ پوسٹ کے الزام میں کسی شخص کو سزا دی تھی۔ اپیل کا عمل سال کے اختتام تک جاری رہا۔

۱۴ ستمبر کو گجرات، پنجاب کی عدالت نے واٹس ایپ کے ذریعے گستاخانہ مواد بھیجنے کے الزام میں ایک عیسائی ندیم جیمس کو موت کی سزا سنائی۔ جیمس نے عدالت کے فیصلے کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کی، جو کہ سال کے اختتام تک زیر التواء رہی۔

بارہ اکتوبر کو شیخوپورہ، پنجاب کی عدالت نے ۲۰۱۴ء میں پیش آنے والے توہین رسالت کے واقعہ کی بنیاد پر تین احمدیوں کو موت کی سزا سنائی۔ احمدیہ برداری کے نمائندوں کے مطابق ان تینوں افراد کی جانب سے مبینہ طور پر گستاخی کا عمل وہ پوسٹر ہٹانا تھے جو کہ عوام کو بے دھڑک احمدیوں کے قتل پر اکسانے کے لیے لگائے گئے تھے کیوں کہ احمدی مبینہ طور توہین رسالت کے مرتکب ہیں۔

مئی کے مہینے میں راولپنڈی کی ایک عدالت نے ایک عیسائی ظفر بھٹی کو عمر قید کی سزا سنائی جس پر الزام تھا کہ ۲۰۱۲ء میں اس نے موبائل میسیج کے ذریعے گستاخانہ مواد بھیجا تھا۔ بھٹی کے وکیل نے کہا کہ وہ اس کیس کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔

جنوری میں لاہور کی انسداد دہشت گردی کی عدالت نے ۱۱۵ لوگوں کو رہا کر دیا جن پر ۲۰۱۳ء میں عیسائی برادری کے ایک رکن پر گستاخی کے ارتکاب کے الزام کے بعد عیسائیوں کی جوزف کالونی میں ۱۲۵ سے زیادہ گھر جلانے کا الزام تھا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق عدالت نے ان کو ٹھوس شواہد نہ ہونے کا حوالہ دیتے ہوئے بری کیا۔ سال کے اختتام تک اس واقعہ میں کسی بھی فرد کو سزا نہیں سنائی گئی تھی۔ وہ عیسائی جس پر گستاخی کا الزام لگایا گیا تھا ۲۰۱۴ء میں سزا کے بعد پھانسی کا منتظر تھا۔

مئی میں ذرائع ابلاغ نے اطلاع دی کہ حب بلوچستان کی پولیس نے ایک ہندو پرکاش کمار کو سوشل میڈیا پر گستاخانہ مواد پھیلانے پر گرفتار کیا۔ پولیس نے پرکاش کو مشتعل ہجوم کے حوالے کرنے سے انکار کیا جو بڑی تعداد میں تھانے کے باہر جمع ہوا تھا۔ بعد ازاں ہونے والی جھڑپوں میں ایک بچہ جاں بحق اور تین پولیس افسران زخمی ہوئے۔ کمار کا کیس سال کے اختتام تک جاری تھا۔

سپریم کورٹ کا ۲۰۱۰ء میں توہین رسالت کے مقدمہ میں سزائے موت پانے والی عیسائی عورت آسیہ بی بی کے مقدمہ کی سماعت غیر معینہ مدت کے لیے التواء جاری رہا۔ آسیہ بی بی کو ۲۰۰۹ء میں حکام نے توہین رسالت کے الزام میں اس وقت گرفتار کیا تھا جب چند مسلمان عورتوں نے اس پر بحث کے دوران حضرت محمد صلعم کی شان میں گستاخی کا الزام لگایا۔ سپریم کورٹ نے بی بی کی ۲۰۱۶ء میں اپیل کی سماعت، تین رکنی بینچ کے ایک جج کی جانب سے معذرت کے بعد، غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دی تھی۔ جج کے بینچ سے علیحدگی اختیار کرنے سے قبل بعض مذہبی تنظیموں سے منسلک مولویوں نے آسیہ بی بی کی رہائی میں ملوث کسی بھی شخص کو موت کے گھاٹ اتارنے کی دھمکی دی تھی۔ بعد میں سال کے دوران کوئی سماعت نہیں ہوئی۔

جولائی اور اگست میں ہونے والے الگ الگ واقعات میں پنجاب کے حکام نے دو عیسائی لڑکوں کو مذہبی گستاخی کے الزام میں گرفتار کیا۔ دونوں لڑکوں کے خاندانوں کا کہنا تھا کہ الزامات ذاتی تنازعات پر مبنی تھے۔ پنجاب میں ایک اور عیسائی لڑکے نبیل امانت (مسیح) توہینِ مذہب کے الزام میں سال کے آخر تک حراست میں رہا۔ سزا ہونے کی صورت میں وہ دس سال قید بھگتے گا۔ ضلع قصور کی پولیس نے امانت کو ستمبر ۲۰۱۶ء میں گرفتار کیا تھا اس پر الزام تھا کہ اس نے مکہ میں واقع خانہ کعبہ کی گستاخانہ تصویر فیس بک پر پھیلائی تھی۔

۳۱ مئی کو پنجاب کی ایک عدالت نے دو احمدیوں کو تین سال قید کی سزا سنائی جنہوں نے ایک ایسا مجلہ شائع کیا تھا جس پر صوبائی حکومت نے پابندی عائد کی تھی۔ احمدی نمائندوں کا کہنا ہے کہ عدالت نے مواد شائع کرنے کی اجازت دے رکھی تھی لیکن پنجاب کے انسداد دہشت گردی ڈویژن نے دسمبر ۲۰۱۶ء میں چھاپہ مار کر چار افراد کو گرفتار کیا۔ احمدی نمائندوں نے بتایا کہ گرفتار شدہ افراد پر پولیس حراست میں تشدد کیا گیا۔ سال کے اختتام تک فیصلے کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں دائر اپیل زیر التواء تھی۔

مارچ میں حکام نے لاہور میں اپنے فرقے کی تبلیغ کے الزام میں دو احمدیوں کو گرفتار کیا۔ عدالت نے ان کی ضمانت کی درخواست مسترد کر دی اور سال کے اختتام تک وہ جیل میں مقدمے کی سماعت کا انتظار کر رہے تھے۔

عدالتوں نے ملزمان برسوں جیل میں رہنے کے بعد اپیل پر فیصلہ سناتے ہوئے توہین رسالت کے الزامات کے تحت سنائی گئیں سزائیں کالعدم قرار دے دیں۔ ۲۷ فروری کو سپریم کورٹ نے شواہد ناکافی ہونے کی بنیاد پر بلوچستان ہائی کورٹ کے اس فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا جس میں ۲۰۱۲ء میں نصیر آباد میں قرآن پاک جلانے کے مقدمہ میں خدا بخش کو عمر قید کی سزا سنائی گئی تھی۔ سپریم کورٹ کے اس فیصلے تک خدا بخش پانچ سال جیل میں رہا۔ سات جون کو سپریم کورٹ نے شواہد ناکافی ہونے کی بنیاد پر قرآن پاک جلانے کے الزام میں قید ایک اور ملزم کو رہا کیا۔ سپریم کورٹ نے فیصلہ میں ۲۰۰۶ء کے مقدمہ میں دی گئی سزا میں کئی تضادات اور کوتاہیوں کا حوالہ دیا۔ ۲۹ دسمبر کو سپریم کورٹ نے شواہد سے متعلقہ طریقہ ہائے کار میں بے قائدگیوں کی بنا پر توہین رسالت کے مقدمہ میں ۹ سال سے قید بھگتنے والے محمد منشا کی عمر قید کی سزا ختم کی۔ منشا کو ۲۰۰۸ء میں اس وقت گرفتار کیا گیا تھا ،جب بہاولپور، پنجاب کی ایک مسجد کے امام نے حکام کو بتایا کہ منشا نے قرآن پاک کی بے حرمتی کی ہے۔

ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق گذشتہ برسوں کے دوران مشہور ہونے والے بیشتر مقدمات میں سے ملزمان ساون مسیح، شفقت عمانوئل، شگفتہ کوثر سجاد مسیح گل اور لیاقت علی ابھی تک جیل میں بند اور اپنی دائر اپیلوں پر کارروائی کے منتظر ہیں۔

احمدیہ مسلم برادری کے رہنماؤں کے مطابق رواں سال کے دوران مذہبی نوعیت کے ۱۰ مختلف مقدمات میں ۷۷ احمدیوں پر فرد جرم عائد کی گئی۔ سال کے آخر تک نو احمدی، مذہب سے متعلقہ مقدمات کی بنیاد پر اب بھی جیل میں ہیں جن میں ۸۰ سالہ عبدالشکور بھی شامل ہے جس کو ۲۰۱۵ء میں پنجاب کے انسداد دہشت گردی ڈویژن نے احمدی فرقے کی کتابیں فرخت کرنے کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ ۲۰۱۶ء میں انسداد دہشت گردی کی ایک عدالت نے عبدلشکور کو احمدیہ مسلمان فرقے کی تبلیغ کے جرم میں پانچ سال کی سزا سنائی اور مذہبی منافرت اور فرقہ واریت کو بڑھاوا دینے پر انسداد دہشت گردی ایکٹ کے تحت مزید تین سال کی سزائیں ساتھ ساتھ دی گئیں۔ اگست میں عدالت نے ایک احمدی قمر احمد طاہر کو ۲۱ ماہ قید میں گذارنے کے بعد توہین رسالت کے کیس سے بری کر دیا۔ حکام نے طاہر کو نومبر ۲۰۱۵ء میں ایک فیکٹری کے اندر قرآن پاک کو جلانے کا حکم دینے کے الزام میں گرفتار کیا تھا جہاں وہ سیکیورٹی گارڈ کے طور پر ملازمت کر رہا تھا۔ بعد ازاں لوگوں کے ہجوم نے فیکٹری، احمدیوں کی ایک مسجد اور احمدیوں کے متعدد گھروں کو آگ لگا دی تھی۔

موسم بہار میں حکومت نے سوشل میڈیا پر مذہبی معاملات میں گستاخی کرنے والوں کے خلاف بڑے پیمانے پر کریک ڈاؤن کا آغاز کیا۔ مارچ میں عدالت نے پانچ بلاگرز کے خلاف گستاخانہ کیس ختم کرنے کا حکم دیا جن کو جنوری میں حراست میں لیا گیا تھا۔ اسلام آباد ہائی کورٹ کے جسٹس شوکت عزیز صدیقی نے حکومت کو گستاخانہ مواد والی ویب سائیٹس بند کرنے کا حکم دیا۔ اپنے حکم میں جسٹس شوکت صدیقی نے ایسی گستاخی کرنے والوں کو "بڑے دہشتگرد" قرار دیا اور خبردار کیا کہ "اگر حکومت ان کے خلاف کارروائی نہیں کرتی تو حضور پاک صلعم کے پیروکاروں کے صبر کا پیمانہ لبریز جائے گا۔" اس کے ایک ہفتے کے بعد اس وقت کے وزیر اعظم نے گستاخی کو "ناقابل معافی گناہ" قرار دیا اور حکام کو ہدایت کی کہ ان گستاخوں کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا جائے جنہوں نے گستاخانہ مواد آن لائن شائع کیا۔ اپریل میں اس وقت کے وزیر داخلہ چوہدری نثار نے کہا کہ فیس بک کے ۱۵۲ صفحات کو بلاک کر دیا گیا ہے اور آٹھ مشتبہ افراد کو ملک کی ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں ڈال دیا گیا ہے۔ ۱۰ مئی کو لاکھوں افراد کو پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی (PTA) کی جانب سے ایک میسیج موصول ہوا جس میں خبردار کیا گیا کہ سوشل میڈیا میں گستاخانہ مواد رکھنا یا پھیلانا قابل سزا جرم ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کے کارکنان نے کہا کہ اس عوامی بیداری مہم سے لوگوں کو گستاخی کرنے والوں پر حملہ کرنے کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ ستمبر میں وفاقی تحقیقاتی ادارہ (ایف آئی اے) کی ایما پر انسداد دہشت گردی کی ایک عدالت نے چار افراد کو آن لائن گستاخانہ مواد رکھنے پر مجرم قرار دیا۔ اکتوبر میں پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی نے پارلیمینٹ کو رپورٹ دی کہ ۱۸۸ ویب سائیٹس کے خلاف کارروائی کی گئی ہے اور گستاخانہ مواد رکھنے والی ۳،۰۲۵ ویب سائیٹس کو بلاک کر دیا گیا ہے۔ نومبر میں میڈیا نے رپورٹ نشر کی کہ پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن نے مختلف اداروں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دے کر اس کو آن لائن رکھی ہوئی گستاخانہ مواد کی نگرانی کرنے اور اُسے بلاک کرنے کا کام سونپا گیا ہے۔ انسانی حقوق کے علمبرداروں نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ حکومت اس اقدام کو انٹرنیٹ پر آنے والے ان خیالات کو دبانے کے جواز کے طور پر پیش کرے گی جو حکومت سے اختلاف پر مبنی ہوں اور ان میں مذہبی آراء بھی شامل ہوں گی۔

مئی میں ڈان اخبار نے لکھا کہ قومی انسداد دہشت گردی ادارے کی جانب سے دہشتگردی میں ملوث ہونے کی وجہ سے کالعدم ۶۴ گروہوں میں سے ۴۱ پیروکاروں کی بھرتی اور تربیت کے لیے سرعام فیس بک کا استعمال کر رہے ہیں، جن میں اقلیتی مذاہب کے لوگوں پر حملہ کرنے والے فرقہ وارانہ گروپ بھی شامل ہیں۔

سول سوسائٹی اور میڈیا رپورٹس کے مطابق ایسے معاملات بھی ہوئے جس میں حکومت کی مداخلت نے لوگوں کے درمیان مذہبی منافرت پر مبنی فساد کو روک دیا۔ ستمبر میں غیر سرکاری تنظیموں اور حکومتی اہلکاروں بشمول ایک وفاقی وزیر کی مداخلت سے قائد آباد پنجاب میں مختلف مذہب کے ماننے والے جوڑے کی شادی کے بعد پیدا ہونے والی کشیدگی ختم کی گئی۔ پولیس نے بھی مختلف مواقع میں گستاخانہ ارتکاب کے موردِ الزام ٹھہرائے ہوئے افراد پر تشدد سے لوگوں کو باز رکھا۔

فوجی عدالت میں قتل کے الزام کے دو افراد کے کیس کی سماعت چل رہی ہے، جن پر جون ۲۰۱۶ء میں قوال امجد صابری کو قتل کرنے کا الزام ہے۔ امجد صابری کے قتل کے علاوہ دونوں ملزم محمد اسحاق اور محمد عاصم پر دہشتگردی کے دیگر نو الزامات ہیں۔

نومبر ۲۰۱۶ء میں سندھ اسمبلی کا منظور کردہ جبری طور پر مذہب تبدیل کرنے کو جرم قرار دینے والا بل سال کے اختتام تک زیر التواء رہا۔ بل میں کہا گیا ہے مذہب تبدیل کرنے والے افراد کو ۲۱ دن کی مہلت دی جائے گی تاکہ وہ مذہب تبدیل کرنے کے اپنے فیصلے پر بغیر کسی دباؤ کے نظر ثانی کر سکیں اور مذہب تبدیل کرنے کے خواہاں افراد کی کم سے کم عمر ۱۸ سال ہونی چاہیے اور اُن لوگوں کو کم سے کم پانچ سال کی سزا دی جائے جو جبری طور پر مذہب تبدیل کرنے کے لیے دباؤ ڈال رہے ہوں۔ ۷ جنوری کو کچھ مسلمان عالموں اور مذہبی جماعتوں کی طرف سے بل کے کچھ شقوں پر اعتراض اٹھائے جانے کے بعد گورنر سندھ نے بل پر دستخط نہیں کیے اور نظر ثانی کے لیے واپس سندھ اسمبلی کو ارسال کر دیا۔ اقلیتی مذہب کے لوگوں نے بل روکے جانے پر مایوسی کا اظہار کیا اور کہا کہ انہیں یقین ہے یہ بل اقلیتوں سے تعلق رکھنے والی کم عمر لڑکیوں کو تحفظ دے گا جو کہ خاص طور پر اغوا، عصمت دری اور جبری شادی کے ذریعے مذہب تبدیلی کے خطرہ سے دوچار ہوتی ہیں۔

شیعہ مسلمانوں کے لیے مذہبی حوالے سے اہم اسلامی مہینہ محرم سے چند ہفتے قبل اور اس دوران میں وفاقی اور صوبائی حکام نے متعدد علماء کی سرگرمیوں اور نقل و حرکت پر پابندی لگادی۔ سول سوسائٹی اور میڈیا رپورٹس کے مطابق حکومت ان لوگوں پر پابندی عائد کی جو فرقہ وارانہ تناؤ کو فروغ دیتے ہیں ۔ کچھ سی ایس اوز عاشورہ کی چھٹیوں سے پہلے علماء پر پابندیوں کو انتہائی وسیع تصور کر رہے تھے۔ صوبائی حکومتوں نے عاشورہ کے دوران شیعہ مذہبی رسومات کے تحفظ کے لیے لاکھوں پولیس اہلکاروں کو تعینات کیا جس سے مبصرین کے مطابق گذشتہ برسوں کی نسبت اس مرتبہ یوم عاشور زیادہ پُر امن رہا۔

جون میں فاٹا کی کُرم ایجنسی کے شیعہ اکثریتی شہر پار اچنار کی بازاروں میں تین دہشت گرد حملوں کے بعد باسیوں نے فرقہ وارانہ تشدد سے تحفظ دینے میں حکومتی ناکامی کے خلاف احتجاج کیا۔ فرنٹیئر کانسٹیبلری نے احتجاج کرنے والوں پر فائرنگ کر دی جس میں چار افراد ہلاک ہوئے۔ فوج کے سربراہ قمر جاوید باجوہ نے پار اچنار میں شیعہ برداری سے ملاقات کی اور واقعہ کی انکوائری اور حفاظتی انتظامات بہتر کرنے کے یقین دہانی کروائی۔

احمدیہ مسلمان برادری کے رہنماؤں کے مطابق حکام کی طرف سے احمدی مسلمانوں کو توہین مذہب، احمدی۔ مخالف قوانین کی خلاف ورزی اور دیگر جرائم کے بہانے سے ہراساں کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ احمدی رہنماؤں نے بتایا کہ قانون میں مبہم الفاظ سے احمدیوں کو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اپنی مسلمان کی حیثیت سے شناخت کروانے، مروجہ اسلامی سلام کرنے اور اپنے بچوں کا نام محمد نام رکھنے حکام اُن کے خلاف چارہ جوئی کرتے ہیں۔ احمدی نمائندے یہ بھی کہتے ہیں کہ صوبائی حکام نے احمدی برادری کو ان کے صدر دفتر ربوہ کے قریب زمین کی خریداری سے بھی منع کیا۔

اطلاعات کے مطابق سینیٹ کی انسانی حقوق کی کمیٹی نے ملک کے توہین مذہب قوانین کے غلط استعمال کی روک تھام کے لیئے ممکنہ اصلاحات پر بحث جاری رکھی۔ اس پر قانون سازی کا عمل دسمبر ۲۰۱۶ء میں شروع کیا گیا تھا۔ اگست میں اسلام آباد ہائی کورٹ نے پارلیمینٹ کو پینل کوڈ میں ترمیم کرنے کی ہدایت کی کہ توہین مذہب کے جھوٹے الزامات لگانے والوں کے لیے وہی سزا تجویز کی جائے جو توہین مذہب کے مرتکب کی ہے۔ سال کے اختتام تک پارلیمینٹ نے عدالتی حکم پر کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔

قانونی مبصرین ماتحت عدالتوں کی جانب سے توہین مذہب کے مقدمات میں بنیادی شواہد جمع کرنے کے معیار کی پاسداری میں ناکامی پر تشویش کا اظہار کرتے رہے، کیونکہ ان الزامات کی زد میں آئے ہوئے افراد کئی سالوں تک قید کی سزائیں بھگتتے رہے جب تک کہ اعلیٰ عدالتوں نے شواہد ناکافی ہونے کی وجہ سے ان کو ماتحت عدلیہ میں ملی سزائیں کالعدم قرار نہ دے دیں۔ ماتحت عدالتوں نے حکومت طرف سے انتہاپسندی قرار دیئے گئے گروپوں کے، جیسا کہ ختم نبوت گروپ، ارکان کے خلاف مقدمات کی سماعت مبینہ طور پر خطرناک ماحول میں جاری رکھیں، جنہوں نے اکثر مدعی کے وکلاء، ان کے اہلخانہ اور حامیوں کو دھمکیاں دیں۔ مبصرین کے مطابق جوابی کارروائی یا پُر تشدد واقعات کے خوف کے باعث ماتحت عدالتوں کی جانب سے ملزموں کو ضمانت پر رہا یا بری کرنے کے حوالے سے خوف چھایا رہا۔ قانونی مبصرین نے بتایا کہ حکومت کی جانب سے انتہاپسند قرار دیئے جانے والے گروپوں سے ٹکراؤ یا ان کی جانب سے تشدد کے خوف سے ججوں اور مجسٹریٹس نے اکثر مقدمات کی سماعت میں تاخیر کی یا لامحدود مدت کے لیے جاری رکھی۔

۲۰۱۴ء کے نیشنل ایکشن پلان میں وعدہ کرنے کے باوجود حکومت، ٹی وی اور پرنٹ میڈیا میں احمدی مخالف اشتہارات اور تقاریر کو محدود کرنے میں ناکام رہی۔ کچھ سرکاری حکام نے احمدی مخالف بیانات دیئے اور ایسی تقریبات میں شرکت کی جن میں احمدی مسلمان برادری کو بدنام کیا گیا۔ جنوری میں لاہور میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس پنجاب کے وزیر برائے خصوصی صحت عامہ و طبی تعلیم خواجہ سلمان رفیق اور پنجاب کے وزیر برائے بنیادی اور ثانوی صحت خواجہ عمران نذیر اور دیگر کی سربراہی میں ہوئی۔ مقررین نے حکومت سے قادیانیوں (احمدی کمیونٹی کے لیے تضحیک آمیز اصطلاح) کی حمایت بند کرنے کا مطالبہ کیا۔ بعد ازاں وفاقی وزیر خزانہ اسحاق ڈار نے بھی کانفرنس کو خطاب کیا اور وعدہ کیا کہ ختم نبوت کے قانون میں کوئی بھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ فروری میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام، جو کہ ایک ایسی تنظیم ہے جو ختم نبوت کی محافظ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، ہونے والی کانفرنس میں متعدد سیاسی رہنماؤں نے احمدی مخالف بیانات دیئے، جن میں جمیعت علماء اسلام کے صدر مولانا فضل الرحمان اور حکمران پاکستان مسلم لیگ نواز کے چیئرمین راجا ظفر الحق شامل تھے۔ اکتوبر میں مسلمان مذہبی رہنماؤں سے ملاقات میں، پنجاب کے وزیر قانون نے کہا کہ احمدی اسلام کے لیے دیگر غیر مسلم اقلیتوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔

حضرت محمد صلعم اسلام کے آخری نبی ہیں، اس عقیدے کے ساتھ ہم آہنگی والے حلف نامے کی شرط نے احمدیوں کے سرکاری عہدے حاصل کرنے کے عمل کی مسلسل حوصلہ شکنی کی۔ سرکاری عہدہ حاصل کرنے کے لیے احمدیوں کو غیر مسلم کہلوانے پر مجبور کیا گیا، باوجود اس کے کہ وہ خود کو مسلمان کے طور پر متعارف کراتے ہیں۔ دو اکتوبر کو صدر نے ایک بل کی توثیق کی جس کے تحت اس انتخابی حلف نامہ کو "اعلان" میں تبدیل کیا گیا اور احمدیوں کے لیئے علیحدہ انتخابی فہرستیں ختم کی گئیں۔ اس تبدیلی سے ملک گیر ہنگامہ برپا ہو گیا، جس میں تحریک لبیک پاکستان نامی سیاسی جماعت کی جانب سے لگ بھگ تین ہفتے دھرنا بھی شامل تھا، یہ تنظیم تحریک لبیک یارسول اللہ کے طور پر بھی جانی جاتی ہے اور اس کا بنیادی نصب العین توہین مذہب قوانین کا نفاذ ہے۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ انتخابی حلف نامہ میں تبدیلی توہین رسالت کے مترادف ہے۔ قومی اسمبلی کے اسپیکر ایاز صادق نے ایک بیان جاری کیا جس میں اس تبدیلی کو "کلریکل غلطی" قرار دیا اور وزیر اعظم نواز شریف نے حکمران پاکستان مسلم لیگ (ن) میں کمیٹی بنائی کہ مذکورہ تبدیلی کے ذمہ دار افراد کا تعین کیا جائے۔ سولہ اکتوبر کو پارلیمینٹ نے حلف نامہ میں تبدیلی کو ختم کیا اور اس کو اصلی تحریر میں واپس لایا گیا۔ مظاہرین کے مطالبہ کو مانتے ہوئے وزیر قانون و انصاف زاہد حامد نے استعفیٰ دیا۔ حکومت دیگر مطالبات منظور کرنے پر بھی راضی ہوئی، بشمول احتجاج کے دوران گرفتار کیے جانے والے مظاہرین کی رہائی اور انتخابی حلف نامہ میں تبدیلی کی تفتیش کی رپورٹ بنانے کے، جبکہ اس کارروائی کے رد عمل میں ٹی ایل پی کے سربراہ خادم حسین رضوی اس بات پر راضی ہوئے کہ وہ زاہد حامد کے خلاف فتویٰ جاری نہیں کریں گے۔ بعض مبصرین نے کہا کہ حکومت کی جانب سے ٹی ایل پی کے مطالبات کو تسلیم کرنا انتہاپسندی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کی عکاسی کرتا ہے، جبکہ احمدی مسلمان برادری کے نمائندوں نے تشویش ظاہر کی کہ یہ عمل سرکاری سرپرستی میں ان کی برادری کے خلاف جاری کارروائیوں میں اضافے کی علامت ہے۔

اکتوبر ۱۰ کو قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے وزیر اعظم نواز شریف کے داماد اور رکن قومی اسمبلی صفدر اعوان نے فوجی اور سول نوکریوں میں احمدیوں کی بھرتی پر پر پابندی اور احمدیوں سے منسوب اداروں کے نام تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ تقریر سرکاری ٹی وی، پاکستان ٹیلی ویژن پر براہ راست نشر کی گئی، فوج نے جوابی بیان جاری کرتے ہوئے غیر فرقہ وارانہ پالیسی پر عمل پیرا ہونے کے عزم کا اعادہ کیا۔

۲۹ نومبر کو کراچی سٹی کونسل نے متفقہ قرارداد پاس کرتے ہوئے انتخابی حلف نامہ میں تبدیلی کی مذمت کی اور ذمہ دار جماعت کو سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ قرارداد تجویز کنندہ جماعت اسلامی کے سٹی کونسل ممبر جنید مکاتی نے کہا کہ حلف نامہ میں تبدیلی مسلم لیگ نون حکومت اور یہودی امراء کے گٹھ جوڑ سے کی گئی ایک سازش تھی۔

۲۴ نومبر کو، پنجاب اسمبلی نے قرارداد منظور کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ختم نبوت کی تعلیم کو نصاب کا لازمی حصہ قرار دیا جائے۔ وفاقی حکومت کی جانب سے ٹی ایل پی کے ساتھ ۲۵ نومبر کو معاہدہ کے بعد ٹی ایل پی سے وابستہ سینکڑوں مظاہرین نے پنجاب اسمبلی کے سامنے پنجاب کے وزیر قانون ثناءاللہ کے ان تاثرات کے خلاف احتجاج جاری رکھا جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ احمدیوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ ٹی ایل پی نے ۲ دسمبر کو حکومت کے ساتھ معاہدہ کے بعد اپنا احتجاج ختم کیا۔ حالانکہ معاہدہ کے شرائط ظاہر نہیں کی گئی، لیکن ٹی ایل پی نے دعویٰ کیا کہ حکومت پنجاب نے ان کو بیشمار رعایات دیں۔ حکومت پنجاب نے ان دعواؤں کی تصدیق نہیں کی اور مبصرین کا کہنا تھا کہ کسی بھی قسم کے مطالبے نافذ کرنے کے حوالہ سے کوئی شواہد موجود نہیں تھے۔

۳۰ نومبر کو، احتجاج کے رد عمل میں، سپریم کورٹ نے حکم نامہ جاری کیا جس میں کہا گیا کہ "کسی بھی جرم کی تشہیر کے لیے عوامی بحث یا عوام الناس کو تشدد پر بھڑکانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ نشریاتی ادارے تشدد، انتہاپسندی، عسکریت پسندی یا منافرت کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتے۔"

دسمبر میں اسلام آباد ہائی کورٹ نے نفرت اور تشدد بھڑکانے کے باعث ٹی وی اینکر عامر لیاقت حسین کے ذرائع ابلاغ میں تشہیر پر پابندی عائد کر دی۔ یہ عدالتی حکم نامہ ایک پٹیشن کے رد عمل میں جاری کیا گیا، جس میں عامر لیاقت حسین پر مواصلاتی ذرائع پر ایسے اسلامی فتوے جاری کرنے کا الزام لگایا گیا جو کہ مذہبی عدم برداشت کو فروغ دیتے ہیں اور فرقہ وارانہ تشدد کا باعث بنے۔

حکومت نے بعض ایسے مذہبی گروپوں کی سرگرمیوں اور رکن سازی پر پرانی پابندی پر عملدرآمد برقرار رکھنے کی کوششیں جاری رکھیں جنہیں وہ انتہا پسند یا دہشت گرد تصور کرتی تھی۔ وزارت داخلہ نے کالعدم یا زیر نگرانی گروپوں کے بارے میں کثیر الدرجہ شیڈول برقرار رکھا۔ اس شیڈول میں ایسے افراد بھی شامل تھے جن کی عوامی سرگرمیوں کو محدود کیا جا سکتا تھا۔

حکومت نے اکثر مسلمانوں کے لیے حج پر سفر کرنے کے انتظامات میں سہولت اور ان کی مالی اعانت جاری رکھی، لیکن احمدی حج میں شمولیت سے محروم تھے جس کا سبب پاسپورٹ کی درخواست میں مذہبی مسلک درج کرنے اور احمدی نبی کا انکار کرنے کی شرط تھا۔

اقلیتی گروپوں کے نمائندوں کے مطابق حکومت نے ان کے مذہبی گروپوں کو عبادات کے مقامات کے قیام اور مذہبی کلیسا کے ارکان کی تربیت کی اجازت دے رکھی تھی۔ اگرچہ سرکاری طور پر احمدیوں کی عبادت گاہوں کی تعمیر پر کوئی پابندی لاگو نہیں تھی لیکن مقامی حکام نے، تعمیر کے اجازت نامے غیر معمولی طور پر رد کیے اور احمدیوں پر ان مقامات کو مسجد پکارنے پر پابندی عائد رہی۔

غیر سرکاری اور مبصر اداروں کے مطابق سرکاری اسکولوں کے نصابی کتب میں احمدی مسلمانوں، ہندو، یہودی اور عیسائی اقلیتی گروپوں کے بارے میں تضحیک آمیز عبارتیں شامل رہیں۔ سول سوسائٹی کے نمائندوں کے مطابق مذہبی عدم برداشت کی تدریس وسیع پیمانے پر جاری رہی اور متعدد گروپوں کی جانب سے امتیازی مواد کے خاتمے کے لیے سفارشات کے باوجود وفاقی حکومت نے مجوزہ تبدیلیوں کے حق میں کسی بھی نوعیت کے اقدامات نہیں اٹھائے۔ مانیٹرنگ گروپوں کا کہنا تھا کہ چاروں صوبوں میں اول تا دہم کلاسوں کی نصابی کتابوں میں ہندو، عیسائی اور دیگر مذہبی اقلیتوں کے خلاف تعصب سے بھرا مواد شامل تھا۔ ان گروپوں کے مطابق بعض صوبائی حکام کی جانب سے امتیازی مواد ہٹانے اور مساوات و برداشت کے فروغ کے لیے اقدامات اٹھائے گئے، مثال کے طور پر پنجاب نصاب و ٹیکسٹ بک بورڈ کی جانب سے اردو نصاب کی کتابوں میں امن اور مساوات کے فروغ کے بارے

میں کہانیاں شامل کی گئیں، یہ منصوبہ ۲۰۱۶ء میں شروع ہوا تھا اور مارچ میں اختتام پذیر ہوا۔ مارچ کے بعد شائع ہونے والی کتابوں میں مذکورہ کوشش سے اخذ کیا گیا مواد مکمل طور پر شامل نہیں تھا لیکن اس منصوبے سے اخذ کی گئی چند عبارتیں شامل تھیں۔ پنجاب کے حکام نے کچھ نصابی کتابوں میں مذہبی اقلیتی گروپوں کے بارے میں علیحدہ باب بھی شامل کیا۔ اگرچہ نجی اسکول مذہبی تعلیم دینے یا نہ دینے کے حوالے سے آزاد تھے لیکن ان پر مبینہ طور پر حکومت کی جانب سے اسلامی تعلیمات دینے کا دباؤ موجود تھا۔ حکومت نے احمدیوں کو سرکاری اسکولوں میں اسلامی تعلیمات کی تدریس کی اجازت حاصل نہیں دی۔

ایسی اطلاعات بدستور موجود تھیں کہ بعض مدارس نے پُر تشدد انتہاپسندی پر مبنی مواد پڑھایا۔ مدارس کی سرکاری نگرانی میں اضافہ نیشنل ایکشن پلان کا حصہ رہا اور حکومت کی جانب سے اس شعبے میں نظم وضبط مربوط کرنے کی کوششوں کے شواہد موجود تھے۔ ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق صوبائی حکام نے مدارس کو جیو ٹیگ کرنے کی مہم جاری رکھی۔ پریس کی رپورٹوں نے یہ بھی عندیہ دیا کہ سرکاری حکام نے دہشتگردی میں ملوث مدارس کو بند کرنے کی کوششیں کیں۔ حکام نے فرقہ وارانہ منافرت والی تقاریر کے مقدمات میں سزائیں دی اور مذہبی منافرت پھلانے کے ملزم کچھ مذہبی رہنماؤں کے عوامی خطبات پر پابندی لگائی۔ سلامتی امور پر نظر رکھنے والے مبصرین اور مدارس میں اصلاحات کے علمبرداروں کے مطابق بیشتر مدارس نے ملک میں مذہبی اداروں کے پانچ میں سے کسی بھی ایک وفاق یا حکومت کے ساتھ اپنا الحاق نہیں کروایا۔ اسی طرح وہ حکومت کے سامنے فنڈنگ کی دستاویزات فراہم کرنے، غیر ملکی طلبہ کے داخلہ کے حوالے سے مستند اسٹوڈنٹ ویزا، پس منظر کی تفتیش اور انکی ذمہ دار حکومتوں کی اجازت کے بعد داخلہ دینے والے قوانین کی پاسداری میں بھی ناکام رہے۔

مذہبی اقلیتی برادری کے ارکان نے شکایت کی کہ وفاقی اور صوبائی دونوں سطحوں پر وفاقی وزارت برائے قانون وانصاف، اور وفاقی وزارت برائے انسانی حقوق، ساتھ ساتھ انکے صوبائی ہم منصب اداروں کی جانب سے مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے قوانین نافذ کرنے میں غیر مستقل مزاجی کا مظاہرہ کیا۔ مذہبی اقلیتوں کا کہنا تھا کہ ان کو تشویش رہی کہ مذہبی اقلیتوں کو زبردستی داخلِ اسلام کرنے کی کوششوں کے خلاف سرکاری اقدامات ناکافی تھے۔

۲۰۱۴ء میں تشکیل دیئے گئے اقلیتوں کے بارے میں عیسائی، ہندو، مسلمان اور سکھ نمائندگان پر مشتمل سرکاری قومی کمیشن نے کبھی کبھار ہی اقلیتوں کے بارے میں پالیسی تیار کرنے کے لیے اجلاس کیے۔ اقلیتی کارکنوں کا کہنا تھا کہ باقاعدہ بجٹ کی عدم دستیابی اور خود مختار سربراہ کی عدم تعیناتی کمیشن کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے رہے۔

انسانی حقوق پر کام کرنے والے بعض گروپوں نے وزارت انسانی حقوق کے ۲۰۱۶ء ایکشن پلان برائے انسانی حقوق، خاص طور پر اقلیتوں کے حقوق کی بابت شقوں، میں عدم دلچسپی کی وجہ سے حکومت کے عزم پر سوالات اٹھائے۔ مذکورہ منصوبہ میں مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے لیے نو شقیں شامل تھیں، جن میں مذہبی منافرت پر مبنی تقاریر کو جرم قرار دینا اور اقلیتوں کی عبادت گاہوں کا تحفظ بھی شامل تھا۔

انسانی حقوق کے کارکنوں نے مسلسل یہ اطلاعات بھی دیں کہ نہ تو وفاق اور نہ ہی صوبائی حکومتوں نے سپریم کورٹ کے ۲۰۱۴ء میں مذہبی اقلیتوں کے ممبران کے تحفظ کے بارے میں حکم نامہ کی تعمیل کے سلسلے میں کسی قسم کے اقدامات اٹھائے۔

جنوری میں سندھ کے گورنر نے ۲۰۱۶ء میں پاس کیا گیا کمیشن برائے اقلیتی امور کے قیام کا بل سندھ اسمبلی کی جانب مزید نظر ثانی کے لیے واپس بھجوا دیا۔ یہ قانون تجویز کرتا ہے کہ اِرکنی کمیشن سندھ میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں سرکاری پالیسی اور قوانین کا جائزہ لے گا اور اس ضمن میں بہتری کے لیے سفارشیں مرتب کرنا اس کی ذمہ داری ہو گی۔ مجوزہ کمیشن کو کسی مقدمہ میں گواہوں کو پیشی کے لیے بلانے اور حلف نامہ پر گواہی لینے سمیت ایک دیوانی عدالت کے برابر اختیارات حاصل ہوں گے۔ یہ قانون سال کے اختتام تک زیر التواء تھا۔

مذہبی اقلیتی آبادی کے قائدین کا کہنا تھا کہ حکومت اینٹوں کے بھٹوں اور زرعی شعبے میں جبری مشقت سے جو ایک غیر قانونی عمل ہے اور جس کے متاثرین زیادہ تر عیسائی و ہندو ہیں، اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے مناسب اقدامات کرنے میں ناکام رہی۔ ایسے خاندان بالخصوص وہ جو صوبہ سندھ میں زرعی اراضی پر سکونت اختیار کئے ہوئے ہیں، اکثر بنیادی سہولتوں سے محروم رہے اور انہیں جاگیرداروں کی اجازت کے بغیر علاقے سے جانے سے روکا گیا۔ ستمبر میں پنجاب کی صوبائی اسمبلی نے ایک قانون کی منظوری دی جس میں اینٹوں کے بھٹوں میں بچوں سے مشقت کو ممنوع قرار دینے والے

۲۰۱۶ء کے قانون میں مزید ترمیم کی گئی ہے۔ ترمیمی قانون کے تحت بچوں سے مشقت لینے کی سزا چھ ماہ تک قید اور جرمانہ سے بڑھا کر پانچ سال تک قید اور زیادہ سے زیادہ پانچ لاکھ روپے (ساڑھے چار ہزار ڈالر) جرمانہ کر دیا گیا ہے۔

تاریخی طور پر ہندو اور سکھ رہنمائوں نے اس بات کو اجاگر کیا کہ ان کی آبادیوں کے لئے شادیوں کے اندراج کے طریقہ کار سے متعلق غیر یقینی قانونی صورتحال سے ہندو اور سکھ خواتین کے لئے وراثت کے حصول، صحت کی خدمات تک رسائی، رائے دہی، پاسپورٹ کے حصول اور جائیداد کی خرید و فروخت کے حوالے سے مشکلات پیدا ہوئیں۔ ہندو میرج ایکٹ میں مارچ میں ترمیم سے کئی مسائل حل ہوئے، تاہم ذرائع ابلاغ کے مطابق ہندو برادری کے رہنمائوں نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ قومی بل کی ایک شق جس میں ہندو شادیوں کی تنسیخ کی اجازت دی گئی ہے، کو ہندو خواتین کی جبری شادیوں کو قانونی شکل دینے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ سکھ برادری کے رہنماء اپنی برادری کے لئے شادیوں کے اندراج سے متعلق مشکلات بیان کرتے رہے۔ بعض مقامی انتظامی ادارے عیسائی اور احمدی شادیوں کے اندراج سے انکار کرتے رہے۔ حقوق کے لئے سرگرم افراد نے عیسائی شادیوں سے متعلق نئے قانون کا مطالبہ کیا کیونکہ موجودہ ریگولیشن ۱۸۷۲ء کا ہے۔ ۱۹ جون کو لاہور کی عدالت عالیہ نے عیسائی طلاق سے متعلق قانون جو جنرل ضیاالحق کی حکومت نے ۱۹۸۱ء میں معطل کر دیا تھا، کو بحال کیا جس سے ملک کی عیسائی آبادی کو غیر ازدواجی تعلق کے سوا دیگر وجوہ کی بناء پر طلاق کا راستہ میسر آتا ہے۔

ماہرین قانون اور غیر سرکاری تنظیموں (این جی اوز) کے نمائندوں کا متواتر کہنا تھا کہ اقلیتی حقوق کے لئے بھرپور قانونی ڈھانچہ غیر واضح ہے۔ گو کہ وزارت قانون و انصاف سرکاری طور پر تمام شہریوں کے قانونی حقوق کو یقینی بنانے کی ذمہ دار ہے لیکن عملی طور پر مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی بنیادی ذمہ داری وزارت انسانی حقوق کے پاس ہے۔ اس کے علاوہ ملک کی اٹھارہویں آئینی ترمیم نے انسانی حقوق اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ سے متعلق بعض اختیارات اور ذمہ داریاں صوبائی حکومتوں کو منتقل کر دی ہیں۔

مذہبی اقلیتوں کے رہنماؤں کا کہنا تھا کہ ان کی آبادیوں کے ارکان کو کالجوں اور جامعات میں داخلہ لینے کے سلسلے میں امتیازی سلوک کا سامنا رہا۔ احمدی نمائندوں نے کہا کہ یونیورسٹی میں داخلے کے لئے ان کی درخواستوں میں حلفیہ الفاظ کا اندراج جو طلبہ کو اپنے دستخط کے ساتھ درج کرنے ہوتے ہیں، کی وجہ سے احمدیوں کی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ اس بیان پر دستخط کرنے سے انکار کا مطلب یہ تھا کہ وہ خودکار طور پر داخلے کی

شرائط پر پورا نہیں اترتے۔ حکومت کا موقف تھا کہ احمدی داخلہ لینے کے اہل ہیں تاوقتیکہ وہ مسلمان ہونے کے دعویدار نہ ہوں۔ احمدی برادری کے رہنمائوں کا کہنا تھا کہ ابتدائی داخلے میں اپنی مذہبی وابستگی ظاہر نہ کرنے کے بعد سرکاری جامعات سے کئی احمدی طلبہ کو نکال دیا گیا۔

مذہبی اقلیتوں کے رہنمائوں کا کہنا تھا کہ سرکاری اسکولوں میں مسلمان طلبہ کو قران زبانی یاد کرنے کے لئے اضافی گریڈ پوائنٹس دیئے گئے لیکن اقلیتی برادری کے طلبہ کے لئے اس طرح کا کوئی موقع مہیا نہیں کیا گیا۔

بیشتر مذہبی اقلیتی رہنمائوں کا کہنا تھا کہ انہیں سرکاری بھرتیوں میں متواتر امتیازی سلوک کا سامنا رہا۔ گو کہ وفاقی سطح پر بھرتیوں کے لئے مذہبی اقلیتوں کے لئے پانچ فیصد کوٹہ مختص ہے، لیکن اقلیتی تنظیموں کا کہنا تھا کہ حکومتی اداروں نے اس کا نفاذ نہیں کیا۔ مذہبی اقلیتی ارکان اور ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق پنجاب، سندھ اور خیبر پختونخواہ میں صوبائی حکومتیں سول سروس میں مذہبی اقلیتوں کی بھرتی میں اس طرح کے کوٹے کو پورا کرنے میں ناکام رہیں۔

مذہبی اقلیتی نمائندوں نے بیان کیا کہ ایک ان دیکھی رکاوٹ ان کی سینئر حکومتی عہدوں پر ترقی کی راہ میں حائل رہی۔ گو کہ ملٹری سروس میں اقلیتی مذہبی گروپ کے ارکان کے لئے ترقی میں کوئی باقاعدہ رکاوٹیں نہیں تھیں، لیکن عملی طور پر غیر مسلم شاذ و نادر ہی کرنل کی رینگ سے اوپر جاسکے اور انہیں سینئر عہدے نہیں سونپے گئے۔ احمدی رہنمائوں نے متواتر بیان کیا کہ حکومت نے قانونی دستاویزات کے حصول میں احمدیوں کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کی اور شناختی کارڈ اور پاسپورٹ میں مسلمان ظاہر کرنے کے خواہشمند افراد پر یہ حلف لینے کی شرط عائد کرتے ہوئے کہ پیغمبر محمدؐ اسلام کے آخری نبی تھے اور احمدیہ تحریک کا بانی ایک جھوٹا نبی تھا، احمدی آبادی کے ارکان کو اپنے تصورات سے انکار کرنے کے لئے دباؤ میں برقرار رکھا۔ احمد برادری کے نمائندوں نے بیان کیا کہ لفظ احمدی ان کے پاسپورٹ پر درج کیا گیا جب انہوں نے اپنے آپ کو اس شناخت میں ظاہر کیا۔ احمدی نمائندوں نے متواتر بیان کیا کہ حکومت نے ووٹرز کو مسلمان کے طور پر اندراج کرانے کے لئے ایک حلف نامے پر ختم نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے حلفیہ بیان دینے کی شرط عائد کرتے ہوئے ان کی برادری کو موثر طور پر ان کے حق سے محروم کیا۔ چونکہ ایسے ووٹرز کو جنہوں نے احمدی کے طور پر اندراج کرایا ہے، ایک الگ ووٹر لسٹ میں درج کیا گیا، اس لئے ان کا کہنا تھا کہ اس سے ان کے لئے خطرات اور جسمانی تشدد کے خطرات مزید بڑھ گئے اور کئی احمدیوں نے سیاسی عمل میں شرکت نہ کرنے کی کوشش کی۔ ۱۶ دسمبر کو ذرائع ابلاغ نے رپورٹ کیا کہ سیالکوٹ، پنجاب میں پولیس نے اپنے شناختی کارڈ پر مسلمان شناخت کا اندراج کرانے اور ۲۰۱۵ء کے مقامی انتخابات میں مسلمان کے طور پر ووٹ دینے کے لئے اندراج کرانے پر چھ احمدیوں کو گرفتار کیا۔

مذہبی اقلیتی رہنمائوں کا کہنا تھا کہ قومی دھارے میں شامل جماعتوں کی اندرونی مشاورت کے ذریعے اقلیتی ارکان پارلیمنٹ کے انتخاب کا نظام اقلیتی آبادیوں کی حقیقی نمائندگی کرنے والے قانون سازوں کے بجائے سیاسی جماعت کے وفادار یا ایسے لوگوں کی تقرری کا موجب بنا جو "انتخابی نشستیں خریدنے" کے قابل تھے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ یہ نظام موثر طور پر اقلیتی خواتین جو نشست کے حصول کے لئے بڑی سیاسی جماعتوں پر کافی اثر ورسوخ کی حامل نہیں تھیں، کے انتخاب میں رکاوٹ بنا۔

احمدی برادری کے ارکان کا کہنا تھا کہ سرکاری اداروں نے احمدی مساجد سر بمہر کرنے یا گرانے اور نئی مساجد کی تعمیر روکنے کا سلسلہ جاری رکھا اور مساجد پر حملوں کو روکنے یا احمدی مساجد کو گرانے، نقصان پہنچانے، جبری قبضہ کرنے یا ان میں آگ لگانے میں ملوث حملہ آوروں کو سزا دینے کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا۔ مئی میں لاہور ہائی کورٹ نے چکوال میں احمدیہ مسجد پر حملے میں شرکت کے ملزم ۳۷ افراد کو ضمانت پر رہا کیا۔ اس واقعہ کے دوران ایک حملہ آور ہلاک ہو گیا اور احمدیہ عبادت گزاروں میں سے ایک حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گیا۔ سال کے آخر میں ۶۷ میں سے ۶۰ حملہ آوروں کو ضمانت پر رہا کیا جا چکا تھا، قتل کے الزام میں ایک احمدی قید میں رہا اور مسجد سر بمہر رہی۔ ۲۰۱۶ء کے آخر میں وسطی پنجاب میں ایک احمدیہ اجتماع پر حملے کے بعد احمدیہ رہنمائوں نے بیان کیا کہ ان کی آبادی نے ۲۰۱۷ء میں اس وجہ سے کوئی اجتماع نہیں کیا کہ حکومت کی پالیسیوں کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جن میں احمدی افراد اجتماعات یا عوامی جلسے محفوظ طریقے سے منعقد نہیں کر سکتے تھے۔

حکومت نے مذہبی وابستگی سے قطع نظر شہریوں کو اسرائیل کا سفر کرنے سے روکے رکھا۔ بہائی آبادی کے نمائندوں کا کہنا تھا کہ بہائی ورلڈ سینٹر جو اس برادری کا ایک روحانی وانتظامی مرکز ہے، اسرائیل میں ہونے کی وجہ سے اس پالیسی سے وہ بالخصوص متاثر ہوئے۔

۲۵ دسمبر کو پاک فوج کے سربراہ جنرل قمر جاوید باجوہ نے راولپنڈی میں ایک چرچ میں کرسمس کی تقریب میں شرکت کی اور ملک کے سرکاری اداروں اور مسلحہ افواج میں عیسائیوں کے کردار کو سراہا۔

اپریل میں ہندوؤں کے تہوار ہولی کے موقع پر ایک اجتماع سے خطاب کے دوران اس وقت کے وزیر اعظم نواز شریف نے مذہب کی جبری تبدیلی کی مذمت کرتے ہوئے اس بات کی توثیق کی کہ پاکستان کا آئین تمام مذہبی گروہوں کے مساوی حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔

حکومت کی جانب سے بیرونی ممالک سے آنے والے غیر مسلم مبلغین کو مشنری سرگرمیاں جاری رکھنے اور دوسرے مذاہب کے افراد کو اپنے عقیدے کی جانب راغب کرنے کی اجازت رہی بشرطیکہ وہ اسلام کے خلاف تبلیغ سے باز رہیں اور اپنے غیر مسلم ہونے کا اقرار کریں۔ حکومت نے اپنی امیگریشن کی ویب سائٹ پر لکھ رکھا ہے کہ وہ غیر ملکی مشنریوں کو دو سے پانچ سال دورانیہ کا ویزا جاری کرتی رہے گی اور انھیں ایک سال کے دوران دو بار ملک میں داخلے کی اجازت ہو گی۔ اگرچہ وطن واپس جانے والے مشنریوں کی جگہ لینے والے اور ملک میں پہلی مرتبہ آنے کے خواہشمند مشنریوں کیلئے صرف "ری پلیس منٹ" ویزا دستیاب ہوتا ہے۔ تاہم غیر مسلم مشنریوں کو، جن میں سے بعض کئی سالوں سے ملک میں کام کر رہے ہوتے ہیں، یا تو ویزا دینے سے ہی انکار کر دیا جاتا ہے یا ان کے قیام میں چار ماہ کی توسیع کی جاتی ہے یا پھر انھیں ویزا کی میعاد ختم ہونے سے پہلے امیگریشن حکام کی جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوتا۔

غیر ملکی طاقتوں اور غیر ریاستی گروہوں کی زیادتیاں

بعض مسلح فرقہ پرست گروپوں، جو ایسی تنظیموں سے منسلک ہیں جن پر حکومت نے پابندی لگا رکھی ہے جن میں لشکر طیبہ، تحریک طالبان پاکستان اور اہل سنت والجماعت (جو پہلے سپاہ صحابہ کہلاتی تھی)، کی جانب سے تشدد اور زیادتیاں بھی جاری رہیں۔ اسی طرح امریکہ اور دیگر حکومتوں کی جانب سے دہشتگرد قرار دیئے گئے افراد اور گروہوں، بشمول آئی ایس آئی ایل۔ کے، کی جانب سے بھی اس طرح کے واقعات کا ارتکاب ہوتا رہا۔ فرقہ واریت پر مبنی حملوں کے حوالے سے اعداد و شمار بدلتے رہے کیونکہ فرقہ وارانہ حملے کی کوئی معیاری تعریف وضع نہیں کی گئی تھی۔ جنوبی ایشیاء دہشتگردی پورٹل کے مطابق سال کے دوران رونما ہونے والے فرقہ وارانہ تشدد کے سولہ واقعات میں ۲۳۱ افراد جاں بحق اور ۶۹۱ زخمی ہوئے۔ سول سوسائٹی کی تنظیموں نے مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کے حوالے سے اپنی تشویش کا اظہار کیا اور حکومت پر زور دیا کہ وہ دہشتگردی کے خاتمے کیلئے نیشنل ایکشن پلان اور مذہبی اقلیتی گروہوں کے ارکان کو تحفظ فراہم کرنے کے حوالے سے جون ۲۰۱۴ء کو جاری ہونے والے سپریم کورٹ کے حکم پر مکمل عملدرآمد کرے۔

۱۶ فروری کو آئی ایس آئی ایس۔ کے کی جانب سے سہون شریف، سندھ، میں واقع لعل شہباز قلندر کی درگاہ پر جاری مذہبی تقریب کے دوران کئے جانے والے خودکش حملے میں کم از کم ۸۸ افراد جاں بحق اور ۲۰۰ سے زیادہ زخمی ہوئے۔ نومبر میں ذرائع ابلاغ نے خبر دی کہ حکام نے اس حملے میں ملوث ایک مشکوک شخص کو گرفتار کر لیا ہے۔

سارا سال تشدد آمیز انتہاپسند فرقہ پرست گروپوں کی جانب سے شیعہ عبادت گاہوں، مذہبی اجتماعات، مذہبی رہنماؤں اور دیگر لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا رہا جس کے نتیجے میں ۱۱۲ افراد لقمہ اجل بنے۔ کچھ تنظیموں کے مطابق سال بھر میں رونما ہونے والے اٹھارہ فرقہ وارانہ واقعات میں ۲۲۰ شیعہ مسلمان جاں بحق ہوئے۔

دہشتگرد گروپوں نے فاٹا کی کرم ایجنسی میں شیعہ اکثریت والے شہر پاراچنار میں مارکیٹوں کو تین بار نشانہ بنایا۔ ۲۱ جنوری کو ہونے والے بم حملے کی ذمہ داری لشکر جھنگوی العالمی ٹی ٹی پی نے قبول کی جس میں ۲۵ افراد جاں بحق اور ۸۷ زخمی ہوئے۔ ۳۱ مارچ کو ہونے والے ایک خودکش حملے میں، جس کی ذمہ داری ٹی ٹی پی کے الگ ہونے والے سنی گروپ جماعت الاحرار نے قبول کی، ۲۵ افراد جاں بحق اور ایک سے سو زیادہ زخمی ہوئے۔ ۲۴ جون کو ہونیوالے بم دھماکوں کی ذمہ داری لشکر جھنگوی نے قبول کی جن میں ۱۶۷ افراد جاں بحق اور ۲۰۰ سے زیادہ مجروح ہوئے۔

۲۹ نومبر کو حملہ آوروں نے اسلام آباد میں شیعہ مسجد سے نکلتے ہوئے دو نمازیوں کو شہید کر دیا۔ اس حملے کی ذمہ داری لشکر جھنگوی العالمی نے قبول کی۔

چھ اکتوبر کو ہونے والے ایک دوسرے حملے میں، جس کی ذمہ داری آئی ایس آئی ایس۔ کے نے قبول کی، خودکش بمبار نے جھل مگسی، بلوچستان، میں واقع پیر رکھیال شاہ کی درگاہ پر، جہاں شیعہ اور سنی دونوں مسالک کے لوگ حاضری دیتے ہیں، خود کو اڑالیا۔ اس واقعے میں ۲۱ افراد جاں بحق اور ۲۴ زخمی ہوئے۔

۱۷ دسمبر کو بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ کے بیتھل میموریل میتھوڈسٹ چرچ میں ہونے والے حملے میں خودکش بمباروں نے عیسائی برادری کے نو افراد کی جان لے لی جبکہ اس سانحے میں ۶۰ دوسرے لوگ زخمی ہوگئے۔ ان میں سے ایک خودکش بمبار نے چرچ کے بڑے ہال کے باہر خود کو اڑالیا،

جہاں سینکڑوں لوگ اتوار کی عبادت کیلئے جمع تھے، جبکہ سیکورٹی پر مامور پولیس اہلکاروں نے دوسرے خودکش حملہ آور کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ ملک میں کسی گرجاگھر پر ہونے والا پہلا حملہ تھا جس کی ذمہ داری آئی ایس آئی ایس۔ کے نے قبول کی۔

سیکشن سوئم: معاشرے میں مذہبی آزادی کے احترام کی صورتحال

سال بھر نامعلوم حملہ آوروں کی جانب سے شیعہ، ہزارہ اور احمدی کمیونٹی سے تعلق رکھنے والے افراد کو چن چن کر ہلاک کیا جاتا رہا۔ خیال ہے کہ ان حملوں کے پس پشت مذہبی ترغیب کارفرما تھی۔ بسا اوقات حملہ آوروں کا مذہبی گروپوں کے ساتھ تعلق واضح نہیں تھا۔

۲۶ فروری کو پیروا، خیبر پختونخوا، میں نامعلوم حملہ آوروں نے شیعہ کمیونٹی کے تین افراد کو قتل کر دیا۔ شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والے ہزارہ اقلیتی گروہ پر ہونیوالے حملوں کی تعداد میں گزشتہ سال اضافہ ہوا۔ کم از کم پانچ الگ الگ واقعات میں نامعلوم قاتلوں نے ہزارہ برادری کے ۱۳ افراد کو نشانہ بنایا۔

ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے لگتا ہے کہ نامعلوم افراد کی جانب سے احمدیہ کمیونٹی کے لوگوں کو چن چن کر نشانہ بنایا گیا۔ ۳۰ مارچ کو پنجاب کے شہر ننکانہ صاحب میں مسلح حملہ آوروں نے احمدی کمیونٹی سے تعلق رکھنے والے ایک موٹر سائیکل سوار کو قتل کر دیا۔ حملے میں مرنے والے شخص کا بیٹا بھی زخمی ہوا۔ سات اپریل کو لاہور میں نامعلوم حملہ آوروں نے احمدیہ مسلک سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کو اس وقت مار ڈالا جب وہ مسجد جا رہا تھا۔ اٹھارہ اپریل کو نامعلوم حملہ آوروں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور میں خدمات سرانجام دینے والی ایک خاتون احمدی پروفیسر کو لوٹنے کے بعد قتل کر دیا۔ ۳ مئی کو مسلح افراد نے ایک احمدی شخص کو گھر جاتے ہوئے مار ڈالا۔

نو اکتوبر کو مسلح افراد نے احمدی میاں بیوی کو ان کے دو سالہ بیٹے سمیت گھر میں گھس کر قتل کر دیا۔ پولیس نے تحقیقات کے بعد واقعے کو عورت کے بھائیوں اور ان کے ساتھیوں کی جانب سے نام نہاد غیرت کے نام پر قتل کئے جانے کا شاخسانہ قرار دے دیا، جو مرحومہ کے خاندان کی مرضی کے برخلاف ایک احمدی سے شادی کرنے پر ناراض تھے۔

متعدد واقعات کے حوالے سے شائع ہونے والی میڈیا رپورٹس مذہبی توہین کے الزامات کی بنا پر روا رکھے جانے والے معاشرتی تشدد سے متعلق تھیں۔ اپریل میں سیالکوٹ کے قریب تین بہنوں نے ایک شیعہ مسلمان کو قتل کر دیا، جو ان کے بقول ۱۳ سال قبل توہین مذہب کا مرتکب ہوا تھا۔ متوفی توہین مذہب کے الزامات، جو اس کے خاندان کے مطابق اس کے شیعہ ہونے بنا پر عائد کئے گئے تھے، کی وجہ سے ملک سے فرار ہو گیا تھا اور حال ہی میں وطن واپس لوٹا تھا۔ اپریل ہی کے مہینے میں چترال میں ہجوم نے مسجد کے اندر ایک شخص کو مار مار کر ہلاک کر دیا جس نے، ان کے بقول، توہین مذہب پر مبنی کلمات کہے تھے۔ مسجد کے امام نے اس کی زندگی خطرے میں دیکھ کر اسے پولیس کے حوالے کر دیا، جس نے اس کے خلاف مذہبی توہین کے الزامات کے تحت پرچہ درج کیا تھا۔ اگست میں دو ملزموں نے سندھ کے علاقے ٹنڈو آدم میں ذہنی طور پر معذور ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا جسے عدالت نے اس کی دماغی حالت کے پیش نظر توہین مذہب کے کیس میں بری کیا تھا۔ حکام نے ملزمان کو گرفتار کر کے تحقیقات کیں جنہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ مرنے والے شخص نے توہین مذہب کا ارتکاب کیا تھا۔ اگست ہی کے مہینے میں وزیر آباد، پنجاب، میں اس وقت ایک ہجوم پولیس اسٹیشن کے باہر اکٹھا ہو گیا جب ایک اٹھارہ سالہ عیسائی شخص کو گرفتار کر کے وہاں لایا گیا جس نے مبینہ طور پر ایک خانقاہ کے باہر قرآن پاک کے اوراق جلائے تھے۔ پولیس نے اس کے خلاف توہین مذہب کے الزام میں کیس درج کر کے اسے ایک دوسرے تھانے میں منتقل کر دیا۔

اگست میں بوریوالا میں ایک طالب علم نے اپنی کلاس کے واحد عیسائی طالب علم ۱۷ سالہ شیرون مسیح کو قتل کر دیا۔ شیرون مسیح نے قاتل کی جانب سے ڈرانے دھمکانے کی شکایت کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ پولیس نے متعدد طالب علموں کے خلاف مقدمہ درج کر لیا۔

سارا سال مختلف درجے کی سیاسی وابستگی رکھنے والی اسلامی تنظیمیں عقیدہ ختم نبوت کی حمایت میں ریلیاں نکالتی رہیں اور اسی طرح کے دوسرے پروگرام منعقد کرتی رہیں۔ اِن واقعات میں، جن کو جنہیں قومی اور انگریزی میڈیا نے شائع کیا، احمدیہ کمیونٹی کے خلاف بیان بازی، بشمول احمدیوں پر تشدد کو اُکسایا گیا۔ احمدیوں نے معاشرتی طور پر خوف وہراساں کرنے اور اُن کی کمیونٹی کے ارکان کے خلاف امتیازی سلوک روا رکھے جانے کے سلسلہ کے بارے میں، خاص طور پر اکتوبر اور نومبر میں تحریک لبیک یا رسول اللہ کے احتجاج کے بعد، اطلاعات دیں۔

۲۰۱۶ء میں ممتاز قادری کی پھانسی کے خلاف بعض مذہبی گروہوں کی جانب سے احتجاج جاری رہا، جس نے صوبہ پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کو ۲۰۱۱ء میں اُس وقت قتل کر دیا تھا جب اُنہوں نے ملک میں توہین رسالت کے قوانین پر سر عام نکتہ چینی کی تھی۔ عدالت عظمیٰ نے ۲۰۱۵ء میں اپنے فیصلہ میں ممتاز قادری کی سزا کو برقرار رکھتے ہوئے قرار دیا کہ توہین رسالت کے قوانین پر تنقید توہین رسالت کے مترادف نہیں اور قانون ہاتھ میں لینا قابل قبول نہیں ہے۔ ۴ جنوری کو پولیس نے لاہور میں ممتاز قادری کی پھانسی پر خوشی منانے والی ایک ریلی کے ۱۶۰ شرکاء کو حراست میں لے لیا۔ مارچ میں

ہزاروں افراد ممتاز قادری کی قبر پر عرس منانے کے لیے جمع ہوگئے، جس کو اُس کے خاندان والوں نے ایک مزار میں تبدیل کر لیا تھا۔ سارا سال کے ممتاز قادری کے حامی اُس کی قبر پر خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے حاضر دیتے رہے۔

ایسی اطلاعات ملتی رہیں کہ مذہبی اقلیتوں کو زبردستی مشرف بہ اسلام کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ انسانی حقوق کے علمبرداروں نے بتایا کہ زبردستی کی شادی اور جبری مذہب تبدیل کرنے والوں کو ڈرا دھمکا کر یہ کہنے پر مجبور کیا گیا کہ اُنہوں نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے۔ عیسائی اور ہندو تنظیموں نے بتایا کہ اُن کے مذہب سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں خاص طور پر جبری مذہب کی تبدیلی کے خطرے سے دوچار ہیں۔ ایک عیسائی تنظیم کے مطابق اپریل میں ایک پولیس اہلکار نے ۱۴ سالہ عیسائی لڑکی کو اغوا کر کے چار مہینے تک حافظ آباد، پنجاب میں محبوس رکھا اور زبردستی مسلمان بنا دیا۔ سول سوسائٹی کی تنظیموں کی اعانت سے لڑکی کا خاندان اُسے بازیاب کرانے میں کامیاب ہوا۔ لڑکی کے اغواکار کے خلاف مقدمہ سال کے اختتام تک زیر التواء تھا۔

اخباری اطلاعات کے مطابق، ۶ جون کو چار مسلح افراد نے میرپور خاص، سندھ میں ایک نوعمر ہندو لڑکی کو بندوق کی نوک پر اغوا کیا۔ ۸ جون کو لڑکی کے ماں باپ نے ایک احتجاجی مظاہرے کی قیادت کی اور اپنی بچی کی بازیابی کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ اغواکاروں کو علاقے کی سیاسی شخصیات کی پشت پناہی حاصل ہے۔ رواں سال کے اواخر تک کیس چل رہا تھا اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کا خیال تھا کہ لڑکی ابھی تک اغواکاروں کے چُنگل میں ہے۔

عیسائی کارکن بدستور یہ اطلاعات دیتے رہے کہ نجی شعبے میں ملازمتوں میں عیسائی باشندوں کے ساتھ بڑے پیمانے پر امتیازی سلوک کا سلسلہ جاری تھا۔ انہوں نے بتایا کہ عیسائی باشندوں کو ادنیٰ درجے کے کاموں سے ہٹ کر ملازمتوں کے حصول میں مشکلات کا سامنا رہا۔ بعض اشتہاروں میں تو ادنیٰ ملازمتوں کو خاص طور پر عیسائی امیدواروں کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔

مبصرین نے بتایا کہ انگریزی زبان کے ذرائع ابلاغ میں مذہبی اقلیتوں کو درپیش مسائل کے بارے میں رپورٹنگ کسی حد تک بہتر ہوئی ہے، تاہم اخبار نویسوں کو ایسے معاملات کی رپورٹنگ کرنے پر دھمکیوں کا سامنا رہا۔ ماہِ جون میں ایک صحافی رانا تنویر اُس وقت قاتلانہ حملے میں بال بال بچ گئے ،جب ایک حملہ آور نے اُن پر گاڑی چڑھا دی۔ اُنہوں نے اپنے اخبار ایکسپریس ٹریبیون کے لیے اقلیتوں کے حقوق کے مسئلہ پر لکھا تھا۔ حملے میں اُن کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دیگر انسانی حقوق کی تنظیموں نے ایک ماہ قبل رپورٹ کیا تھا کہ رانا تنویر کے مالک مکان کو ایک نامعلوم شخص کی

کال موصول ہوئی تھی جس میں اُس پر دباؤ ڈالا گیا تھا کہ تنویر سے گھر خالی کرایا جائے کیونکہ وہ اسلام دشمن موقف کا حامل ہے۔ کئی دن بعد کسی نے تنویر کے گھر کے باہر اسپرے پینٹ سے یہ پیغام تحریر کر دیا کہ "قادیانیوں کا حامی رانا تنویر ایک بے دین ہے اور قتل کئے جانے کا مستحق ہے۔"

مبصرین نے اطلاع دی کہ اردو زبان کے ذرائع ابلاغ مذہبی اقلیتی گروہوں کے بارے میں رپورٹنگ میں تعصب برتتے رہے، جن میں کئی ایسے واقعات بھی شامل تھے جن میں اشتعال انگیز زبان یا پھر اقلیتوں کے متعلق نامناسب حوالے دیئے گئے تھے۔ سارا سال نجی ٹیلی ویژن چینلوں پر نقاد اور مقامی اخبارات کے اداریہ نویس احمدیوں کو "پاکستان کا دشمن" اور "توہین رسالت کے مرتکب" قرار دیتے رہے۔ مثال کے طور پر تین اکتوبر کو اوریا مقبول جان نے ایک نجی ٹی وی چینل "نیو ٹی وی" پر اپنے پروگرام میں کہا کہ احمدیوں کا بے دھڑک سر قلم کر دینا چاہیئے۔

انسانی حقوق اور مذہبی آزادیوں کے علمبرداروں اور مذہبی اقلیتی گروہوں کے ارکان نے اطلاع دی کہ وہ معاشرے میں عدم برداشت اور خوف کی فضا میں مذہبی رواداری کے بارے میں بات کرنے سے بدستور گھبراتے ہیں۔ بعض کارکنوں نے بتایا کہ انہیں اپنے کاموں کی وجہ سے قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔

مذہبی اقلیتوں کے مقدس مقامات، قبرستان اور مذہبی شعائر پر حملوں کی اطلاعات بدستور ملتی رہیں، جنہیں روکنے میں پولیس ناکام رہی۔ ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق ایک نامعلوم حملہ آور نے سات اکتوبر کو بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ کے ایک گرجاگھر پر دستی بم پھینکا۔ حملے میں کوئی شخص زخمی نہیں ہوا۔ سال کے اختتام تک اس واقعہ کے سلسلے میں کوئی گرفتار نہیں ہوا۔

ستمبر میں پاکستان علماء کونسل نے، جس میں دیوبندی سنی علمائے کرام کا اثر ورسوخ ہے، محرم کے مہینے کے لیے ایک ضابطۂ اخلاق جاری کیا۔ اس ضابطہ اخلاق میں خاص طور پر فرقہ واریت کا مذمت کی گئی تھی اور سُنی مسلمانوں پر زور دیا گیا تھا کہ عاشورہ کے موقع پر شیعہ جلوسوں کا احترام کریں۔

حصہ چہارم: حکومتِ امریکہ کی حکمت عملی اور روابط

سفیر، قونصل جنرل، سفارتکاروں اور دورے پر آئے اعلیٰ امریکی حکام نے وزیر اعظم کے دفتر اور وزارت انسانی حقوق، قانون و انصاف کے حکام سے ملاقاتیں کیں اور توہین رسالت کے قانون میں اصلاحات، مدرسوں اور سرکاری اسکولوں کے نصاب میں اصلاحات، شیعہ، احمدی، مسیحی، ہندو، سکھ اور دیگر اقلیتوں کے بہتر تحفظ کی ضرورت، زیر التواء قانون سازی، بین المذاہب بات چیت، فرقہ وارانہ تعلقات اور مذہبی رواداری کے حوالے سے بات چیت ہوئی۔

اگست میں وزیر خارجہ نے ۲۰۱۶ء کی بین الاقوامی مذہبی آزادی رپورٹ کے اجراء کے موقع پر اپنے خطاب میں پاکستان میں توہین رسالت کے قانون کے نفاذ اور احمدیہ کمیونٹی کے حقوق سے متعلق اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

فروری میں لعل شہباز قلندر کے مزار پر حملوں کے بعد، امریکی محکمہ خارجہ نے ایک پریس بریفنگ میں اس عمل کی مذمت کی اور متاثرہ افراد اور ان کے لواحقین سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ جون میں وہائٹ ہاؤس اور محکمہ خارجہ نے کوئٹہ اور شیعہ اکثریتی علاقہ پاراچنار میں ہونے والے دہشت گرد حملوں کی مذمت کی۔ اکتوبر میں محکمہ خارجہ نے بلوچستان میں جھل مگسی کی درگاہ پر ہونے والے حملے کی مذمت کی۔ دسمبر میں محکمہ خارجہ نے کوئٹہ میں بیتھل میموریل میتھوڈسٹ چرچ پر حملے کی مذمت کی۔

مارچ میں مذہبی اقلیتوں کے خصوصی مشیر برائے مشرق قریب، جنوب و وسطی ایشیا نے اسلام آباد اور کراچی کا دورہ کیا اور مذہبی اقلیتوں کے نمائندوں، اراکین پارلیمنٹ، ایوان وزیر اعظم کے حکام، وفاقی وزراء اور انسانی حقوق کے وکلاء سے ملاقاتیں کیں۔ خصوصی مشیر نے مذہبی اقلیتوں کے ارکان کے خلاف پُر تشدد انتہا پسندوں کے جانب سے حملوں، توہین رسالت کے قوانین کے نفاذ اور احمدی مسلمانوں کے خلاف امتیازی سلوک پر تشویش کا اظہار کیا۔

اپریل میں کراچی، سندھ میں متعین امریکی قونصل جنرل نے صوبہ سندھ میں جو مذہبی لحاظ سے ملک کا سب سے متنوع علاقہ ہے، مسلم، مسیحی، ہندو اور سکھ عبادتگاہوں کا دورہ کیا تاکہ بین المذہبی ہم آہنگی کو فروغ دیا جاسکے۔ اس دورہ کے بعد قونصل جنرل نے مقامی مذہبی رہنماؤں کے ساتھ ایک گول میز کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں بین المذہبی مکالمہ اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق پر گفتگو کی گئی۔

امریکی سفیر اور سفارتخانہ کے دیگر افسران نے سول سوسائٹی کے مختلف گروپوں اور قانونی ماہرین سے ملک میں قانون توہین رسالت کے اقلیتوں اور مسلم کمیونٹیوں پر اثرات اور امریکی حکومتی اہلکاروں کی ملاقاتوں کے امکانات کے حوالے سے گفتگو کی۔ سفارتخانہ کے افسران نے سول سوسائٹی کے رہنماؤں، ماہرین اور صحافیوں سے ملاقاتیں کیں اور فرقہ وارانہ تشدد کی بیخ کنی اور مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے حوالے سے بات چیت کی۔

انہوں نے مذہبی گروپوں کے رہنماؤں اور مذہبی آزادی کے معاملات پر کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیموں اور قانونی ماہرین سے ملاقاتیں کیں اور مذہبی رواداری اور مکالمے کے فروغ کے حوالے سے بات چیت کی۔ محکمہ خارجہ کے مذہبی آزادی پر مبنی پروگراموں نے مذہبی اور کمیونٹی رہنماؤں کے مابین امن کے فروغ، مذہبی اقلیتوں کے قانونی حقوق کے تحفظ کو بڑھانے، وسیع البنیاد تعلیمی مواد کی تدوین اور فرقہ واریت کے انسداد کے حوالے سے مدد فراہم کی۔

۲۲ دسمبر ۲۰۱۷ء کو وزیر خارجہ نے ترمیم شدہ بین الاقوامی مذہبی آزادی ایکٹ ۱۹۹۸ء کے تحت پاکستان کو مذہبی آزادی کی سنگین خلاف ورزیوں میں ملوث ہونے یا ان کو گوارا کرنے کی پاداش میں خصوصی واچ لسٹ میں شامل کر دیا۔